ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل

لندن

شمارہ: 53 ماہ مئی 2017ء

www.qindeel-e-adub.com

(M) 0044-7886-304637

بانی رُکن۔خان بشیر احمد رفیق مرحوم

چیف ایڈیٹر۔رانا عبدالرزاق خان

غزل

بخش لائلپوری

ہر علم و ادب کے مکتب میں
یہ مُلاّ جی کی بستی ہے
ہر پیرِ مغاں کی ہستی ہے
حجرے میں عیش پرستی ہے
بے دینوں کی خرمستی ہے
اس بستی کو برباد کرو
اک دنیا نئی آباد کرو
ہر پیر ہوس کا بندہ ہے
ہر سر میں جنوں کا پھندا ہے
اس فکر و نظر کے گلشن کو
یہ فسق و فسوں کی محفل ہے
تم مردِ خدا جسے کہتے ہو
یہ کذب بیانی کا مرقد
یہ مُلاّ جی کی بستی ہے
تبلیغِ جنوں کے پنجوں سے
چہروں پہ نمائش کی داڑھی
اخلاق کی مردہ لاشوں پر
ہر سانس گراں ہے جینے کی
یہ مُلاّ جی کی بستی ہے
نظروں کے دریچے چھلنی ہیں
وحشت کی صدائیں آتی ہیں
یہ شرک و شرر کی دنیا ہے

کج ذہن کی بالا دستی ہے
پندار و رعونت کا پیکر
مسجد میں درسِ فقیری
ہر دین مبین کی مسند پر
یہ مُلاّ جی کی بستی ہے
صدیوں کے پرانے معبد پر
ہر چور یہاں کا رہبر ہے
ہر دل میں ہے زہر تعصب کا
اس بستی کو برباد کرو
گُل چینوں سے آزاد کرو
ہر جسم یہاں کا گندہ ہے
وہ اپنے نفس کا بندہ ہے
یہ ایمانوں کی پستی ہے
اس بستی کو برباد کرو
انسانوں کو آزاد کرو
بغلوں میں ریا کا خنجر ہے
یہ حرص و ہوا کا مندر ہے
اور موت یہاں پرستی ہے
اس بستی کو برباد کرو
اوہام کے رنگیں خاروں سے
اس بستی کے بازاروں سے
انساں کی تیرہ بختی ہے

یہ مُلاّ جی کی بستی ہے

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت،
خواجہ عبدالمومن نارو ے، آصف علی پرویز

بانی رُکن	:	خان بشیر احمد رفیق مرحوم
مدیر	:	رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر	:	سید حسن خان
مدیر خصوصی	:	سہیل لون
مینجنگ ڈائریکٹر	:	عاصی صحرائی
فوٹو گرافی	:	قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو	:	محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،
رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز،
ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین،
بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد،
ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے ۔قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے ۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کردیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

فہرست

آپ کے خطوط۔		3
بے گناہ مشعل خان کا خون کرنے والو!	اداریہ	3
غزلیات: جگر مراد آبادی، بہادر شاہ ظفر، خواجہ حیدر علی آتش، محمد ابراھیم ذوق، مرزا یاس یگانہ چنگیزی، ریاض خیر آبادی، مصطفیٰ زیدی، عبدالحمید عدم، احمد فراز، اختر شیرانی، حیدری، پنڈت رتن پنڈوری، شعور بلگرامی، عبداللہ ناظر، چراغ حسن حسرت، قیصر شہزاد، طارق احمد مرزا، صفدر ہمدانی، ذوالفقار نقوی، انور، چوہدری محمد علی مضطر عارفی، صفدر ہمدانی، ڈاکٹر صابر مرزا جہلم، امجد اسلام امجد، شہزاد قیس، اسحاق وردگ، مبارک صدیقی، امجد مرزا امجد، بشارت احمد بشارت جرمنی، م.ق.شیراز، احمد منیبؔ، اقبال دے ناں، اختر رسول ظافر، طفیل عامر سندھو، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، مینا نقوی۔		
عورت اور عورت ہے	ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ	12
گوگل کا افسر	ادارہ	14
والدین کو عزت دینے کے 35 طریقے	عاصی صحرائی	15
زندگی کا سفر...کامیابی کا نام	ادارہ	16
بادشاہ، غلام اور دولت	ادارہ	16
مورّخ کیا لکھے گا؟...	ادارہ	17
بچے کی عصری حیثیت، قائد اعظم ایک ذہین شخص، پھر تو آپ کو شرم بھی آنی چاہئے!	ادارہ	18
آوازیں...جسٹس شارٹ کٹ	یزید صدیقی	19
مستقل مزاج مادام کیوری (مانیاسکلو ڈووسکا)	پروفیسر عبدالقدیر کوکب	20
یشب تمنا کی شخصیت اور شاعری	پروفیسر کمال اشرف کمال	24
غزل	مسعود چودھری	24
ذیابیطس شوگر، اسباب علامات	محترم کلیم احمد والینسیا سپین	
محترم مولانا چوہدری ہادی علی صاحب حال کینیڈا کے ساتھ ایک شام	رپورٹ سید حسن خان	28
ایران کا دوسرا چہرہ	محمد احمد	29
شہید مشعال خان کا بہیمانہ قتل	اے آر خان	30
ناک اور عزت	زکریا ورک کینیڈا	32
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو	مولانا مودودی کے ارشادات	33
رشید قیصرانی کا مقام۔ شعراء کی نظر میں	عاصی صحرائی	34
ایک شام طاہر بٹ کے نام	رپورٹ عاصی صحرائی	35
اونچی ناک	زرتشت منیر احمد	36
ٹائٹل۔ قندیل علم	رانا عبدالرزاق خان	39

--*

آپ کے خطوط

نعیم احمد رضا صاحب لندن سے لکھتے ہیں

رانا صاحب السلام وعلیکم

جزاکم اللہ قندیل ادب انٹرنیشنل ملا۔ پڑھ کر حسب سابق بہت ہی دلکش، دیدہ زیب، پایا۔ میری طرف سے اس کی مقبولیت اور کامیابی پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ شکریہ۔

محترم شاہ محمد صاحب پاکستان سے لکھتے ہیں:

آپ کا قندیل ادب پڑھا۔ حسب معمول بہت دلکش اور کثیر القاصد میگزین ہے۔ بے لوث خدمت گاری آپ کا شیوہ ٹھہرا۔ اتنی محنت اور تگ ودو سے سورج جیسی باقائدگی سے رسالہ نکالنا حیرت کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ آپ اور آپ کے رفقاء کار کو صحت والی لمبی عمر سے نوازے آمین

محترم زرتشت منیر احمد صاحب ناروے سے رقم طراز ہیں۔

محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب

السلام وعلیکم

آپ کا میگزین مسلسل باقائدگی سے خاکسار کو مل رہا ہے۔ آپ اردو ادب کی بے لوث اور بہت زیادہ خدمت کر رہے ہیں۔ آپ اس رسالے کو بڑی محنت سے تیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکو اس کام کی جزائے خیر دے آمین۔ آپ کا اپریل کا اداریہ بہت فکر انگیز تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ ہمارے بچے جو دیار غیر میں پروان چڑھ رہے ہیں وہ باقی نیشنل اور مقامی زبانوں کو تو پڑھتے ہیں مگر جب اردو کی کوئی چیز سامنے آئیے تو گریز کرتے ہیں۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے ملک کے سیاستدانوں، ادباء اور شعراء کا ذکر کرتے ہیں مگر انہیں معلوم نہیں کہ اردو علم الکلام میں کون کون سی عظیم ہستیاں مستور ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عالم ان کے معترف ہیں۔ ہمارے بچوں کو علمی، روحانی، ترقی کے لئے اردو سیکھنا اور پڑھنا بہت ضروری ہے۔ یورپ میں اردو کا شوق پیدا کرنے کے لئے منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

اداریہ:

بے گناہ مشعل خان کا خون کرنے والو!

اسلام کو آج کسی ''بھینسے'' سے کوئی خطرہ نہیں۔ اسلام کو خطرہ ان بھینسوں سے ہے جو اسلام کے نام پر زمین پر پڑی ایک لاش کو اپنی ٹانگوں سے کچل رہے تھے۔ اسلام کو ان جانوروں سے خطرہ ہے جو نعرہ تکبیر کی گونج میں ایک برہنہ لاش کو بے رحمی سے بھنبھوڑ رہے تھے۔ فرض کرلیا وہ گستاخ رسول تھا۔ مگر کبھی تمہیں کسی نے بتایا کہ وہ رسول خدا کون تھے؟ جس طرح تم نے اس نوجوان پر پتھروں کی برسات کی، اسی طرح طائف کے غنڈوں نے میرے آقا پر کی تھی۔ مگر جانتے ہو میرے آقا نے ان سب کو معاف کردیا تھا؟ اے قاتلو! تمہیں معلوم ہے کہ تمھارا پھینکا ہوا ہر پتھر میرے آقا کے جسم اطہر پر لگا ہے۔ ابلیس کے مددگارو! تمھیں معلوم ہے تم نے رسول خدا کے دین پر کیسی کاری ضرب لگائی ہے؟ اور وہ جو تاویل اور اگر مگر کی ڈگڈگیاں بجا کر ہمیشہ قاتلوں کو ہیرو بنانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں، کیا وہ نہیں جانتے؟ کیا وہ اس ہستی کو نہیں جانتے جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں، جس نے پتھروں کی یلغار سہہ کر بھی ان دشمنوں کو معاف کردیا جن کی زندگی پر آقا کو مکمل اختیار حاصل ہوگیا تھا۔

تم اس بے مثال ہستی کے بارے میں یہ جھوٹ پھیلاتے ہو کہ وہ اپنی ذات کے خاطر لوگوں کو دوسروں کے قتل پر اُبھارتی تھی۔ تم اپنے قوم پرستانہ جذبات کو خدا اور اس کے محبوب نبی کے نام پر غلط طور پر پیش کرنے کی جسارت کرتے ہو۔ خدا کی عزت اور جلال کی قسم، تم عنقریب اپنے جھوٹ کی سزا پاؤ گے۔ آقا پر جھوٹ منسوب کرنے والو! آقا کے نام پر اپنی دکانیں چمکانے والو! عنقریب جہنم کی آگ تمھاری چمڑی اُدھیڑ دے گی۔ مالک کائنات عنقریب تم سے پوچھے گا اپنے قوم پرستانہ جذبات کی تسکین کے لیے تمہیں باطل تاویلات کا راستہ تو نظر آ گیا، مگر میری نبی کی روشن سیرت نظر نہ آئی؟ تمہیں مکہ کی گلیوں میں گالیاں کھا کر

دعائیں دینے والا نظر نہیں آیا۔طائف کے بازاروں میں لہولہان ہوکر بھی اہلِ طائف کو امان دینے والا نظر نہیں آیا۔اُحد کے میدان میں زخموں سے چور ہو کر بھی کافروں کی ہدایت کی دعا کرنے والا نظر نہیں آیا۔تمہیں بھائیوں سے بڑھ کر محبوب حمزہؓ کے قاتلوں اور اس کی لاش کو نوچنے والے مجرموں کو معاف کرنے والا نظر نہیں آیا؟ اپنی سگی بیٹی زینب کو پتھر مار کر زخم دینے والے پر رحم کرنے والا نظر نہیں آیا؟اپنی پاکدامن بیوی پر لگی تہمت کو صبر سے جھیل جانے والا نظر نہیں آیا؟ کعب بن زہیر جیسے گستاخ شاعر کو جان کی امان دینے والا نظر نہیں آیا؟یہود کی گالیوں اور بے ہودگیوں کو تحمل سے برداشت کرنے والا نظر نہیں آیا؟ منافقین کی ایذاء کے باوجود ان کے لیے دعا کرنے والا کریم نظر نہیں آیا؟خون کے پیاسے مجرم اہلِ مکہ کو عام معافی دینے والا نظر نہیں آیا؟تمہیں یہ نظر نہیں آیا کہ میرا نبی تمھیں دین کا ہر قانون دے کر گیا،مگر اپنی گستاخی پر سزا دینے کا کوئی قانون دے کر نہیں گیا تھا۔کیا میں نے تمہارا دین مکمل نہیں کیا تھا؟ یا میرا نبی تمہیں مکمل دین دینا بھول گیا تھا؟

تم نے میرے دین کے لیے نہیں،اپنے جذبات کی تسکین کے لیے قانون بنایا۔جو قانون بنایا اس کی بھی پاسداری نہ کی۔تم حد سے بڑھ گئے۔تم اپنی مجلسوں کو عدالت اور چوراہوں کو قتل گاہ بنا کر خود جلاد بن بیٹھے۔کتنے ہی بے گناہ، کتنے کلمہ گو اور اللہ رسول سے محبت کرنے والے کتنے ہی لوگ تمہاری وحشت کی نذر ہو گئے۔تم نے نبی رحمت کے نام کو ذاتی اور گروہی جھگڑے نمٹانے کا ذریعہ بنا دیا۔تم نے میرے دین کو بدنام کر ڈالا۔میرے دین سے لوگوں کو بدظن کیا۔پھر ان سارے جرائم کی تائید میں بے اصل واقعات کو پیش کر کے اپنی قانون شکنی کو درست کہتے رہے۔واقعات دیکھنے تھے تو مکہ سے طائف اور اُحد سے فتح مکہ تک بکھرے رحم،معافی،دعا اور درگزر کے واقعات دیکھتے، مگر تم نے نہ دیکھے۔میرے بندوں نے تمہیں ہر دلیل سے سمجھایا، ہر غلطی کو واضح کیا مگر تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔تم ضد پر اَڑے رہے۔تم باز نہ آئے۔ آج تم اپنے کئے کی سزا جہنم کے عذاب کی شکل میں پا کر رہو گے۔میرے نبی رحمت کی تعلیمات کو اپنے اندھے پن سے داغدار کرنے والو! تم اپنا بوجھ بھی اُٹھاؤ گے اور ان کا بھی جن کو تم نے گمراہ کیا ہے۔یہ تو روزِ قیامت ہوگا، مگر آج بھی...آج بھی اسلام کے نام پر کھڑے اسلام کے مجرمو! یہ نہیں ہوگا کہ تم اسلام کی راہ سے خدا کے بندوں کو روک سکو گے۔یہ بھی نہیں ہوگا کہ تم شیطان کے ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکو گے۔یہ بھی نہیں ہوگا کہ تم الحاد کے سانپ کو اپنے تعصّبات اور اندھے پن کا دودھ پلا کر طاقت پہنچا سکو گے۔تمہیں توبہ کرنا ہوگی۔یہی تمہارے لیے واحد راستہ ہے۔غلطی کا اعتراف کرو گے تو ہدایت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔اس پر تیار نہیں ہو تو پھر کم ہنسا کرو اور بہت رویا کرو۔اس لیے کہ خدا کے نام پر کھڑے ہو کر خدا کے دین سے برگشتہ کرنے والے مجرموں کو نہ آسمان کے نیچے کوئی بچا سکتا ہے نہ زمین کے اوپر کوئی پناہ دے سکتا ہے۔

----*

حکمتِ الٰہی

امجد مرزا امجد

مرزا دودھ سے بھری کیتلی اس کی بیٹی کے ہاتھوں سے اچانک چھوٹ کر نیچے گری۔سارے کا سارا دودھ زمین پر پھیل گیا۔وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن میں شکوہ پیدا ہوا۔"اے مالک اس طرح کے چھوٹے بڑے نقصان ہم غریبوں کا مقدر ہی کیوں ہوتے ہیں؟؟" اگرچہ ایک ہی لمحے میں پورے دن کی کمائی کے برابر نقصان ہو چکا تھا۔تاہم وہ زبان سے کچھ نہ بولا۔اچانک اس نے عجیب منظر دیکھا۔ایک بلی کہیں سے نمودار ہوئی اور زمین پر پھیلا دودھ چاٹنا شروع کر دیا۔جب وہ جانے کے لئے مڑی۔تو ایک دم لڑکھڑائی اور زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔وہ بھاگ کر پہنچا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی بلی کی موت ہوگئی۔اسے صدمہ ہوا۔یقیناً انجانے میں دودھ میں کوئی مہلک چیز شامل ہوگئی تھی۔اچانک اسے خیال آیا کہ اگر یہ دودھ زمین پر نہ گرتا تو کیا ہوتا؟؟ فوراً رب کی بڑائی کا اسے احساس ہوا۔ یا رب! تیرے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ہم کتنے نادان ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے نقصان پر تقدیر کا گلہ کرنے لگتے ہیں۔

غزلیات

ایک ہی بحر میں 12 شعراء کا کلام

مرسلہ: آصف محمود ڈار صاحب

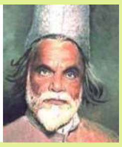

جگر مراد آبادی

علاجِ کاوشِ غم خاک چارہ جُو کرتے
ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے
اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے
مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ ان کی مرضی تھی
ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے
بیان ہو نہ سکی ابتدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے

بہادر شاہ ظفر

طلب ہیں عشقِ بتاں میں جو آبرو کرتے
ظفر ہیں آگ سے پانی کی آرزو کرتے
اشارا اپنے جو اَبرو کا وہ کبھو کرتے
ملک فلک سے پئے سجدہ سر فرو کرتے
نمازِ عشق میں جب ہم ہیں سر فرو کرتے
تو آبِ اشک سے سو بار ہیں وضو کرتے
نہ رُوئے یار سے ہوتی جو نسبتِ کعبہ
تمام عمر بھی عاشق ادھر نہ رُو کرتے
وہ سنتے حضرتِ ناصح کہ پھر نہ بات آتی
جو ترکِ عشق میں کچھ اَور گفتگو کرتے
عجب نہیں ہے اگر رفتہ رفتہ گم ہوتے
جو کوئے یار میں ہم دل کی جستجو کرتے

خواجہ حیدر علی آتش

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے رُوبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے
پیام بر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے
مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے
ہمیشہ رنگ زمانہ بدلتا رہتا ہے
سفید رنگ ہیں آخر سیاہ مُو کرتے
لٹاتے دولتِ دُنیا کو میکدے میں ہم
طلائی ساغرِ مے نقرئی سبُو کرتے
ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک چاک کیا
تمام عمر رفو گر رہے رفو کرتے
جو دیکھتے تری زنجیرِ زُلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے
یہ کعبہ سے نہیں بے وجہ نسبتِ رُخِ یار
یہ بے سبب نہیں مردے کو قبلہ رُو کرتے
سکھاتے نالۂ شب گیر کو در اندازی
غمِ فراق کا اس چرخ کو عدو کرتے
وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی
دل و جگر کو کہاں تک بھلا لھو کرتے
نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش
برستی آگ! جو باراں کی آرزو کرتے

محمد ابراہیم ذوق

مزا تھا ان کو جو بلبل سے دُوبدو کرتے
کہ گل تمہاری بہاروں میں آرزو کرتے
مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آبِ پیکاں سے
مگر زیارتِ دل کیونکر نہ بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
یقین ہے صبحِ قیامت کو بھی صبوحی کش
اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے
سمجھیو دارورسن تا روسوزن اے منصور
کہ چاک پردہ حقیقت کا ہیں رفو کرتے
نہ رہتی یوسفِ کنعاں کی خوبی بازار
مقابلہ میں جو ہم تجھ کو روبرو کرتے
چمن نہ تھا کہ زمانہ کے انقلاب سے ہم
تیمم آب سے اور خاک سے وضو کرتے
سراغِ عمر گزشتہ کا لیجے گر ذوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

مرزا یاس یگانہ چنگیزی

مزا گناہ کا جب تھا کہ باوضو کرتے
بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رُو کرتے
کبھی نہ پرورشِ نخلِ آرزو کرتے
نمو سے پہلے جو اندیشۂ نمو کرتے

سنیں نہ دل سے تو پھر کیا پڑی تھی خاروں کو
کہ گل کو محرمِ انجامِ رنگ و بو کرتے
گناہ تھا بھی تو کیسا گناہِ بے لذت
قفس میں بیٹھ کے کیا یادِ رنگ و بو کرتے
بہانہ چاہتی تھی موت بس نہ تھا اپنا
کہ میزبانئ مہمانِ حیلہ جُو کرتے
دلیلِ راہ دلِ شب چراغ تھا تنہا
بلند و پست میں گزری ہے جستجو کرتے
ازل سے جو کششِ مرکزی کے تھے پابند
ہوا کی طرح وہ کیا سیرِ چار سو کرتے
فلک نے بھول بھلیوں میں ڈال رکھا تھا
ہم ان کو ڈھونڈتے یا اپنی جستجو کرتے
اسیرِ حال نہ مُردوں میں ہیں نہ زندوں میں
زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے
پناہ ملتی نہ اُمیدِ بے وفا کو کہیں
ہوس نصیب اگر ترکِ آرزو کرتے
ازالہ دل کو نجاست کا اور کیا ہوتا
جلا کے خاک نہ کرتے تو کیا لہو کرتے
مزارِ یاس پہ کرتے ہیں شکر کے سجدے
دعائے خیر تو کیا اہلِ لکھنؤ کرتے

ریاض خیرآبادی

شرابِ ناب سے ساقی جو ہم وضو کرتے
حرم کے لوگ طوافِ خم و سبُو کرتے
کلیم کو نہ غش آتا نہ طور ہی جلتا
دبی زبان سے اظہارِ آرزو کرتے
شراب پیتے ہی سجدے میں ان کو گرنا تھا
یہ شغل بیٹھ کے مے نوش قبلہ رُو کرتے
ہر ایک قطرہ سے بہتی ریاض جوئے شراب
جو پی کے ہم سرِ زمزم کبھی وضو کرتے

مصطفیٰ زیدی

”زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے“
وہ خود اگر کہیں ملتا تو گفتگو کرتے
وہ زخم جِس کو کیا نوکِ آفتاب سے چاک
اُسی کو سوزنِ مہتاب سے رفو کرتے
سوادِ دل میں لہو کا سراغ بھی نہ ملا
کسے امام بناتے کہاں وضو کرتے
حجاب اُٹھا دِیئے خُود ہی نگار خانوں نے
ہمیں دِماغ کہاں تھا کہ آرزُو کرتے

عبدالحمید عدم

ہم اگر شرحِ آرزو کرتے
غنچہ و گل کو زرد رُو کرتے
سجدۂ ناگہاں کا تھا موقع
سجدہ کرتے کہ ہم وضو کرتے
داورِ حشر ہنس پڑا ورنہ
ہم کہاں قطعِ گفتگو کرتے
چاکِ دامن تو خیر سل جاتا
چاکِ ہستی کہاں رفو کرتے
میری غیبت سے کیا ملا ان کو
جو بھی کرنا تھا روبرو کرتے
کر دیا آرزو کو ترک عدمؔ
کس لیے خونِ آرزو کرتے

احمد فراز

کسی طرح تو بیاں حرفِ آرزو کرتے
جو لب سِلے تھے تو آنکھوں سے گفتگو کرتے
بس ایک نعرۂ مستاں دریدہ پیرہنو
کہاں کے طوق وسلاسل بس ایک ہُو کرتے
کبھی تو ہم سے بھی اے ساکنانِ شہرِ خیال
تھکے تھکے ہوئے لہجے میں گفتگو کرتے
گلوں سے جسم تھے شاخِ صلیب پر لرزاں
تو کس نظر سے تماشائے رنگ و بُو کرتے
بہت دنوں سے ہے بے آب چشمِ خوں بستہ
وگرنہ ہم بھی چراغاں کنارِ جُو کرتے
یہ قربِ مرگِ وفا ہے اگر خبر ہوتی
تو ہم بھی تجھ سے بچھڑنے کی آرزو کرتے
چمن پرست نہ ہوتے تو اے نسیمِ بہار
مثالِ برگِ خزاں تیری جستجو کرتے
ہزار کوس پہ تُو اور یہ شامِ غربت کی
عجیب حال تھا پر کس سے گفتگو کرتے
فراز مصرعِ آتش پہ کیا غزل کہتے
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

اختر شیرانی

نہ بھول کر بھی تمنائے رنگ و بُو کرتے
چمن کے پھول اگر تیری آرزو کرتے
جنابِ شیخ پہنچ جاتے، حوضِ کوثر تک
اگر شراب سے مے خانے میں وضو کرتے
مسرت، آہ تُو بستی ہے کن ستاروں میں
زمیں پہ، عُمر ہوئی تیری جُستجو کرتے
ایاغِ بادہ میں آ کر وہ خود چھلک پڑتا
گر اُس کے مست ذرا اور ہاؤ ہُو کرتے
اُنہیں مفر نہ تھا اِقرارِ عشق سے لیکن
حیا کو ضد تھی کہ وہ پاسِ آبرو کرتے
پُکار اُٹھتا وہ آ کر دلوں کی دھڑکن میں

ہم اپنے سینے میں گر اُس کی جُستجو کرتے
غمِ زمانہ نے مجبور کر دیا ورنہ
یہ آرزو تھی کہ بس تیری آرزو کرتے
گراں تھا ساقیٔ دوراں پر ایک ساغر بھی
تو کِس اُمید پہ ہم خواہشِ سبُو کرتے

حیدری

زمانہ گزرا ہے دل میں یہ آرزو کرتے
کہ تیرے اشکِ ندامت سے ہم وضو کرتے
لہو سفید ہوا تھا سب اہلِ دنیا کا
ہم اپنے خون سے کس کس کو سرخرو کرتے
یہی تو ایک تمنا رہی دِوانوں کی
کبھی کبھی تیرے کوچے میں ہاؤ ہو کرتے
اب اِس کے بعد خدا جانے حال کیا ہوگا
کہ ہم تو جاں سے گئے حفظِ آبرو کرتے
بہت ہی سادہ سی اک آرزو ہماری تھی
زمانے گزرے مگر شرحِ آرزو کرتے
یہ صبح و شام سیاست کا رونا کیسا ہے
کبھی تو ہم سے محبت کی گفتگو کرتے
ہمیں تو پیرِ مغاں جامِ صبر دے کے گیا
حریف پھرتے ہیں اب تک سبُو سبُو کرتے
کرم جو دیکھا تو تھے مارِ آستیں اپنے
کٹی تھی عمر جنہیں زینتِ گلو کرتے

پنڈت رتن پنڈوری

جدا وہ ہوتے تو ہم ان کی جستجو کرتے
الگ نہیں ہیں تو پھر کس کی آرزو کرتے
ملا نہ ہم کو کبھی عرضِ حال کا موقع
زباں نہ چلتی تو آنکھوں سے گفتگو کرتے
اگر یہ جانتے ہم بھی انہیں کی صورت ہیں
کمالِ شوق سے اپنی ہی آرزو کرتے
دلِ حزیں کے مکیں تو اگر صدا دیتا
تری تلاش کبھی ہم نہ کُو بہ کُو کرتے
کمالِ جوشِ طلب کا یہی تقاضا ہے
ہمیں وہ ڈھونڈتے ہم اُن کی جستجو کرتے
نمازِ عشق تمہاری قبول ہو جاتی
اگر شراب سے تم اے رتؔن وضو کرتے

شعور بلگرامی

جو شانہ گیسوئے جاناں میں ہم کبھو کرتے
تری بھی اے دلِ گم گشتہ آرزو کرتے
ہمارے دل پہ یہ آفت نہ آتی اک سرِ مو
پسند ہم جو نہ وہ زلفِ مشکبو کرتے
سیاہ بختِ ازل ہوں کہاں ہیں ایسے نصیب
کہ قتل کر کے مجھے آپ سرخ رُو کرتے
یہ آرزو رہی دل میں ہمارے تا دمِ نزع
جو آتا یار تو کچھ اس سے گفتگو کرتے

عبداللہ ناظر

بسوزِ زخمِ جگر کیسے ہاؤ ہو کرتے
اگر نہ عشق میں ہم ترکِ آرزو کرتے
تمہاری آنکھوں نے بہکا دیا ہمیں ورنہ
کبھی نہ جشنِ شبِ بادہ و سبو کرتے
نہ جانے کتنی نگاہوں سے گر گئے ہوتے
بیاں جو حشر میں ہم وجہِ آرزو کرتے
غرور سے نہ اُٹھا اپنا سر وگرنہ ہم
خود اپنے ہاتھ سے قطعِ رگِ گلو کرتے
وجود ہوتا نہ اے کاش اپنا دنیا میں
نہ صرفِ شرحِ محبت کبھی لہو کرتے
نہ اٹھتا سر سے اگر سایۂ بہار تو ہم
چمن کے پھولوں سے رنگین گفتگو کرتے
ہوا نہ جن سے کبھی میری چشمِ تر کا علاج
وہ میرے چاک گریباں کو کیا رفو کرتے
غبارِ رنج و الم ہر طرف تھا غربت میں
تلاشِ یار بھلا کیوں نہ کو بکو کرتے
کسی کے سامنے کیوں ذکرِ اختلافِ نظر
جو بات کرنی تھی بے لاگ روبرو کرتے
جنازہ اٹھ گیا کیوں اعتبارِ ناظؔر کا
جو دوستوں نے کیا کاش وہ عدو کرتے

چراغ حسن حسرت

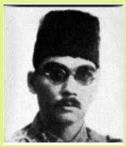

رندانِ مے پرست تو محفل سے اُٹھ گئے
تھرا رہے ہیں مے کدہ کے بام و در ہنوز
آتی ہے بادِ غالیہ مُو صحنِ باغ سے
مرغِ قفس کو حوسِ بال و پر ہنوز
اک چشمِ التفات نے سب کچھ بھلا دیا
تارِ نظر سے بخیۂ زخمِ جگر ہنوز
اُٹھتا نہیں ہے خرمنِ صیاد سے دھوَاں
فریاد نارسا ہے فغاں بے اثر ہنوز
نے کاہشِ فراق نہ لطفِ وصالِ دوست
شام و سحر میرے نہیں شام و سحر ہنوز
رُستم عتاب ہے ابھی دنیائے عشق میں
تیرگی کی زد میں ہیں قلب و نظر ہنوز

**

قیصر شہزاد

کوئی بھی دَور سرِ محفلِ زمانہ رہا
تمہارا ذکر رہا یا مرا فسانہ رہا
مرے نشانِ قدم دشتِ غم پہ ثبت رہے
ابد کی لوح پہ تقدیر کا لکھا نہ رہا
وہ کوئی کُنجِ سمن پوش تھا کہ تودۂ خس
اک آشیانہ بہر حال آشیانہ رہا
تم اک جزیرۂ دل میں سمٹ کے بیٹھ رہے
مری نگاہ میں طوفانِ صد زمانہ رہا
طلوعِ صبح کہاں ہم طلوع ہوتے گئے
ہمارا قافلہ بے درا روانہ رہا
یہ پیچ پیچ بھنور اس کی اک گرہ تو کُھلی
کوئی تڑپتا سفینہ رہا، رہا نہ رہا
نہ شاخِ گل پہ نشیمن، نہ رازِ گل کی خبر
وہ کیا رہا جو جہاں میں قلندرانہ رہا

طارق احمد مرزا

اب تو ہر اک کے درپئے آزار ہے فلک
پہلے تو فرق پھر بھی کوئی نیک و بد میں تھا
گو دوست منتظر تھے مری موت کے مگر
میں اپنے دشمنوں کی محبت کی زد میں تھا
ڈھونڈا تھا زندگی نے تری محفلوں میں جب
میں اپنی خلوتوں کی انا کی لحد میں تھا
مانا تری وفا تو ہوئی نذرِ مصلحت
تیرا خلوص بھی کیا حوادث کی زد میں تھا
ہر بار بیخودی کا سفر رایئگاں رہا
ہر اک فرار آہ مری اپنی حد میں تھا
زندہ محض تھے خاطرِ احباب کے لئے
ورنہ سدا سے اپنا ٹھکانا ابد میں تھا
تُو عالمِ جنوں میں ہی افسوس چل بسا
طارقؔ ترا وقارِ خودی تو خرد میں تھا

صفدر ہمدانی

تم کو یہ غلط فہمی کہ بیدار نہیں ہوں
اپنے ہی اصولوں کا میں غدار نہیں ہوں
میں لشکرِ شبیر میں ہوں فاتحِ دربار
میں فوج یزیدی کا علمدار نہیں ہوں
دشمن یہ سمجھتا ہے کہ تنہا کیا اُس نے
جھکنے کے لئے پھر بھی میں تیار نہیں ہو
سر دوش پہ رکھتے ہیں مجھ جیسے قلندر
جواپنا ہی گھر لوٹے وہ سرکار نہیں ہوں
خنجر کے تلے بھی رہے اوسان سلامت
قاتل میرے آ دیکھ میں بیمار نہیں ہوں
ہاں فلسفۂ جُرم مرا تم سے الگ ہے
میں بندۂ عاصی ہوں گنہ گار نہیں ہوں
ڈرتا تو نہیں ہونے سے مصلوب میں لیکن
صد شکر کہ ہاں صاحب دستار نہیں ہوں
کرسکتا ہوں میں اپنے ہی دُشمن کی حمایت
صفدرؔ میں منافق کا طرفدار نہیں ہوں

ذوالفقار نقوی

دشتِ بلا کی دھوپ میں تھوڑی نمی سی ہے
شاید میرے جنوں میں کوئی کمی سی ہے
بے دردی کی موج بہا لے نہ اس کو بھی
انسانیت کی پرت جو ہم پر جمی سی ہے
اک بار میرا نام کیا محفل میں آ گیا
ان کی نظر میں آج بھی کچھ برہمی سی ہے
اے میر کارواں کبھی صحرا سے یہ بھی پوچھ
کیوں اب تلک وہ ریگِ تپاں شبنمی سی ہے
تجھ کو بھی شوق تھا کہ رہے عمر بھر یہ ساتھ
مجھ پر ہی دوش کیوں ہو خطا باہمی سی ہے

انور

تجھے مجھ سے مجھ کو تجھ سے جو بہت ہی پیار ہوتا
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
ترا ہر مرض اُلجھتا مری جان ناتواں سے
جو تجھے زکام ہوتا تو مجھے بخار ہوتا
جو میں تجھ کو یاد کرتا تجھے چھینکنا بھی پڑتا
مرے ساتھ بھی یقیناً یہی بار بار ہوتا
کسی چوک میں لگاتے کوئی چوڑیوں کا کھوکھا
ترے شہر میں بھی اپنا کوئی کاروبار ہوتا
غم و رنج عاشقانہ نہیں کیلکو لیٹرانہ
اسے میں شمار کرتا جو نہ بے شمار ہوتا
وہاں زیرِ بحث آتے خط وخال وخوئے خوباں
غمِ عشق پر جو انور کوئی سیمینار ہوتا

چوہدری محمد علی مظفر عارفی

شور ہونے لگا پتنگوں میں
روشنی بٹ گئی ہے رنگوں میں
کیسے کیسے جوان مارے گئے
حرف و صوت و صدا کی جنگوں میں
اس میں کچھ آنکھ کا قصور نہیں
رنگ ہی مل گئے ہیں رنگوں میں

رات جب روشنی قریب آئی
فاصلے بڑھ گئے پتنگوں میں
ان کو ایفائے عہد کا ہے خیال
ہے شرافت ابھی لفنگوں میں
آنکھ لڑتی، زباں جھگڑتی ہے
زندگی گھر گئی تلنگوں میں
کیا ملا تھا معاوضہ اے دل!
تُو بھی زخمی ہوا تھا جنگوں میں
آندھیاں بھی نہ ان کو کھول سکیں
ایسی گرہیں پڑیں پتنگوں میں
کاش اپنا شمار ہو جائے
تیری درگاہ کے ملنگوں میں
ان کو ڈر ہے کہ اب کے مظؔہر بھی
گھر نہ جائے کہیں اُمنگوں میں

حکومت صحافت عدالت

صفدر ہمدانی

ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
راہ فکر و عمل جیسے محدود ہے
بے عمل لوگ ہیں سوچ محدود ہے
مال و زر کی طلب ان کا مقصود ہے
ان کے اندر بھی شیطان موجود ہے
ہر اک بات ان کی خجالت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
یوں تو کہنے کو ملت کے غم خوار ہیں
درحقیقت یہ ملت سے بیزار ہیں
سرتاپا یہ جہالت کے شہکار ہیں
سر جو اپنوں کے کاٹیں وہ سردار ہیں
فلسفہ ان کا دہشت کی طاقت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات
رکھیں حرص و ہوس ان کے نام
نشۂ تخت میں قہر کے بے لگام
بے ضمیر ان کے دربار میں ہیں غلام
ان کی ہر بات میں ہے وکالت کی بات
ہاں حکومت صحافت عدالت کی بات

چوہدری محمد علی مظہر عارفی

تری آنکھوں میں عیّاری بہت ہے
صداقت کم اداکاری بہت ہے
فقیہِ شہر، درباری بہت ہے
اور اس کی سوچ سرکاری بہت ہے
مری تکفیر کے فتوے سے تجھ پر
حکومت کا نشہ طاری بہت ہے
یہ اُلٹی آنکھ کے ہیں کارنامے
کہ سیدھی نور سے عاری بہت ہے
میں کیسے مان لوں اسلام تیرا
کہ یہ اسلام سرکاری بہت ہے
یہ چٹّا جھوٹ ہے اعلان تیرا
لب و لہجہ بھی بازاری بہت ہے
اِدھر ہے تیرا نوّے دن کا وعدہ
اُدھر کرسی تجھے پیاری بہت ہے
کلاشنکوف کی اور ’’ہیروئن‘‘ کی
سنا ہے گرم بازاری بہت ہے
ہوں تیرے رتجگے تجھ کو مبارک
مجھے سحری کی بیداری بہت ہے
تو عادی قتلِ ناحق کا ہے لیکن
خود اپنی جاں تجھے پیاری بہت ہے
یہ تخت و تاج ہوں تجھ کو مبارک
مجھے سولی کی سرداری بہت ہے
مبارک تجھ کو تیری پارسائی
مجھے اپنی خطا کاری بہت ہے
میں تیری ہاں میں ہاں کیسے ملا دوں
دلِ نادان انکاری بہت ہے
میں ہنستا مسکراتا جا رہا ہوں
اگرچہ زخم بھی کاری بہت ہے
خریدو عشق کو، لیکن سنبھل کر
کہ اس میں چور بازاری بہت ہے
سنا ہے جی اُٹھا اسلم قریشی
خبر لیکن یہ اخباری بہت ہے
بتا تو دوں ترے انجام کی بات
مگر یہ بات انذاری بہت ہے
نہ جانے پھول کا انجام کیا ہو
اسے ہنسنے کی بیماری بہت ہے
اسیرِ زلفِ جاناں ہو چکے ہیں
ہمیں اتنی گرفتاری بہت ہے
عجب کیا جاتے جاتے رُک بھی جاؤں
اگرچہ اب کے تیّاری بہت ہے
گزرنے میں نہیں آتا ہے مظؔہر
یہ لمحہ ہجر کا بھاری بہت ہے

ڈاکٹر صابر مرزا جہلم

اونچی عمارتوں کو گرائیں تو کس طرح
اپنی یہ جھونپڑی بھی بچائیں تو کس طرح
بے حس جہاں سے عالمِ جبروت کو چلے
جائیں بھی اس جہاں سے جائیں تو کس طرح
آسان کام تو نہیں اپنوں کو چھوڑنا
اغیار کے دیار بسائیں تو کس طرح
برزخ ہے کس مقام پہ ہم کو خبر نہیں

گر ہو خبر بھی ہم کو بتائیں تو کس طرح
مدہوش ہو چکا ہے جواب اپنی ذات سے
سوئے ہوئے کو ہوش دلائیں تو کس طرح
انسان تو ازل سے خطاکار ہے مگر
اس کو فرشتہ اب کے بنائیں تو کس طرح
گورفتگاں کی یاد بھی صابر عذاب ہے
روٹھے ہوؤں کو پھر سے منائیں تو کس طرح

امجد اسلام امجد

حسابِ عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارا ہے
کسی چراغ میں ہم ہیں کسی کنول میں ہو تم
کہیں جمال ہمارا کہیں تمہارا ہے
وہ کیا وصال کا لمحہ تھا جس کے نشے میں
تمام عمر کی فرقت ہمیں گوارا ہے
ہر اک صدا جو ہمیں بازگشت لگتی ہے
نجانے ہم ہیں دوبارہ کہ یہ دوبارہ ہے
وہ منکشف مری آنکھوں میں ہو کہ جلوے میں
ہر ایک حُسن کسی حُسن کا اشارہ ہے
عجب اُصول ہیں اس کاروبارِ دُنیا کے
کسی کا قرض کسی اور نے اُتارا ہے
کہیں پہ ہے کوئی خوشبو کہ جس کے ہونے کا
تمام عالمِ موجود استعارا ہے
نجانے کب تھا! کہاں تھا مگر یہ لگتا ہے
یہ وقت پہلے بھی ہم نے کبھی گزارا ہے
یہ دو کنارے تو دریا کے ہو گئے، ہم تم!
مگر وہ کون ہے جو تیسرا کنارا ہے

شہزاد قیس

اِسی سہارے پہ دِن ہجر کا گزارا ہے
خیالِ یار، ہمیں یار سے بھی پیارا ہے
صبا کا، اَبر کا، شبنم کا ہاتھ اَپنی جگہ
کلی کو پھول نے جھک جھک کے ہی نکھارا ہے
کسی کے ہاتھ پہ مہندی سے دِل بنا دیکھا
میں یہ بھی کہہ نہ سکا یہ تو دِل ہمارا ہے
نقاب پالکی میں بھول آئے کیوں حضرت
تمام شہر نے کیا آپ کا بگاڑا ہے
تم آسماں پہ نہ ڈُھونڈو سیاہ بدلی کو
کسی نے ہاتھ سے گیسو ذرا سنوارا ہے
چلو بہارِ چمن لے کے گھر کو لوٹ چلیں
دَھنک کی لے میں کسی شوخ نے پکارا ہے
یہ ہاتھ چھوڑنے سے پیشتر خیال رہے
خدا کے بعد فقط آپ کا سہارا ہے
جو عمر بیت چکی وُہ حسابِ ہجر میں لکھ
جو سانس باقی ہے دنیا میں وہ تمہارا ہے
گھٹا، صراحی، دَھنک، جھیل، پنکھڑی، شبنم
بدن ہے یا کسی شاعر کا اِستعارہ ہے
یقیں تھا اُس کو کہ ہم شعر اُن پہ کہہ لیں گے
خدا نے حُسن، قلم دیکھ کر اُتارا ہے
صنم کو دیکھ کے، کچی کلی نے ''کھل'' کے کہا
''بہت ہی اُونچی جگہ قیس ہاتھ مارا ہے''

اسحاق وردگ

دوسرا کنارا بھی بے وفا کنارا ہے
اب تو ڈوب جانا ہی آخری سہارا ہے
میں اُتر نہیں سکتا دوسرے کنارے پر
دوسرا کنارا تو دوسرا کنارا ہے
مجھ پہ اب محبت میں زہر پینا واجب ہے
میں نے دل نہیں ہارا حوصلہ بھی ہارا ہے
آسماں کی وسعت میں جانے اب کہاں ہوگا
وہ جو میری قسمت کا بے خبر ستارا ہے
وقت کی عدالت کا فیصلہ یہی ہے اب
میں بھی اک خسارا ہوں تو بھی اک خسارا ہے
دوسرے کنارے پر یہ خبر ہوئی مجھ کو
وہ تو اس کہانی میں تیسرا کنارا ہے
میں نے تیرے حصے کے رت جگے بھی کاٹے ہیں
میں نے تیرے حصے کا قرض بھی اتارا ہے

مبارک صدیقی

لوگوں کو نصیحت کا فریضہ بھی ہے معروف
ہاں پہلے مگر اپنے گریبان میں دیکھو
کہتے ہو جو اوروں کو وہ خود کیوں نہیں کرتے
ناصح ہو تو فرمان یہ قرآن میں دیکھو
کرتے ہو جنہیں شام و سحر وعظ و نصیحت
دیکھیں گے وہ کردار بھی گفتار سے پہلے
اور راہ یہ دُشوار ہے پُر خار ہے جیسے
اک بیج ملے خاک میں گلزار سے پہلے
اُٹھو یہ دل و جان درِ یار پہ رکھو
سردار جو بننا ہے تو سر دار پہ رکھو

امجد مرزا امجد

لگی ہے آگ یہ کیسی ترے چناروں میں
لہو شہید کا بہتا ہے آبشاروں میں

تری فضا میں یہ کیسا ہے زہر بارودی
قضا کا رقص ہے ہر جا ترے نظاروں میں
تری زمین کو آتش نگر بنایا ہے
دھوئیں کا رنگ نمایاں ہے ابر پاروں میں
گھٹائیں کفر کی آخر کو چھٹ ہی جائیں گی
سماں خزاؤں کا بدلے گا پھر بہاروں میں
دعا کو ہاتھ اٹھائے ہیں ہم نے بھی امجدؔ
خوشی کا دور چلے پھر سے غم کے ماروں میں

بشارت احمد بشارت جرمنی

طواف حسن تیرے عشق میں بدل جائے
تیرے خیال سے جاں روح تک پگھل جائے
بسو تو ایسے بسو میرے روم روم میں تم
سدا ہی وصل رہے اور ہجر ٹل جائے
رہیں بہاریں کچھ ایسے تیرے تبسم میں
جو مسکراؤ تو ہر سو گلاب کھل جائے
رہے دیدار رہے یارِ باوفا کا مجھے
یہ بیقرار سا دل قرب سے سنبھل جائے
پھر ایک بار اسی گرمیٔ محبت سے
یہ شہر بستی جہاں پیار میں بدل جائے
جو ہے طلب تو طلب ہے مجھے بشارتؔ کی
اسی خیال سے ہر دن خوشی میں ڈھل جائے

م.ق.شیراز

زندگی تلخی داماں، سانس مفلسی میں پیوند قبا
آرزوئے فگاراں، اتنا چلتے ہیں کہ مرجاتے ہیں
متاعِ رہِ حریمِ ہوس ہے فقط دیدۂ حیراں
سوچتا کون بھلا سود وزیاں، دلاسے پہ مرجاتے ہیں
تسلیمِ جاں گساری ہوئی نسخۂ شفا
سرد آہوں سے حبسِ دوراں میں مرجاتے ہیں
لو یہ لو جلایا دل، اب کیسا اندھیرا ہے
سرِ بزم جی اٹھتے ہیں تہِ گام مر جاتے ہیں
موجوں کے تھپیڑوں کو ہنس ہنس کے سہتے ہیں
وہ حضرتِ انساں قطرۂ آب پہ مرجاتے ہیں
آ گہی تو نے کیا صد چاک گریباں شیراز کا
جو گھر سے نہیں چلتے وہ بھی تو مر جاتے ہیں

احمد منیبؔ

جاں نکلتی ہے جان کے آنے پہ
تُم بھی اُترے ہو اب ستانے پہ
اپنی آنکھوں کو تم سنبھالو بھی
دل کو رہنے بھی دو ٹھکانے پہ
سر بھی دستار بھی جبیں در بھی
رُوح بہتی ہے آستانے پہ
تھی فریبِ نظر، نظر میری
بند کرتا ہوں اِس بہانے پہ
ہم نے دیدار کر لیا آخر
یوں تمہارے نظر چرانے پہ
قطرۂ جان تم سمندر میں
اب تو تیار ہے سمانے پہ
کربلا روز ایک اُترتی ہے
تیرے پیاروں کے آشیانے پہ

قوم-امجد مرزا امجد

دنیا توں اے نیاری قوم
اِکو جئی اے ساری قوم
لیڈر وی تے اِنہاں وچوں
کِنے فیر وِگاڑی قوم
دونویں لیڈر وڈے چور
لیاوے واری واری قوم
ہر بندہ ہی دا تے بیٹھا
وگڑ گئی اے ساری قوم
دہشت گردی قتل تے ڈاکے
لہو نال چوندی اے ساری قوم
ویکھیا جہڑا اقبالؔ نے سپنا
بھُل گئی اج وچاری قوم
قائد نے ملک بنا کے دِتا
کھا گئی اس نوں ساری قوم
اقبال جناح جیے فیر نہیں آنے
رہ گئی اج زرداری قوم
کپ دی وَڈی جائے ہن
نواز شریف دی آری قوم
بے حس تے بے غیرت ہوگئی
ہوگئی ٹھنڈی ٹھاری قوم
جس نوں خوف خدا دا نہیں
جاندی اے فیر ماری قوم
ہتھ اُٹھا کے منگو امجدؔ
محتاج دعا دی ساری قوم

اقبال دے ناں
امجد مرزا امجد

جہڑے افکار دِتے سے توں سانوں
اسیں او سارے بھلا بیٹھے آں
جس ملک دا سی توں خاب وکھایا
مل لیڈراں اج انہوں کھا بیٹھے آں

اج تیرے اصولاں تے چل کے لوکی
اپنا سوہنا ملک بنا بیٹھے نیں
تیرے افکار بھلا کے لیڈر ساڈے
وطن اپنے نوں ویچ وِکا بیٹھے نیں

آ عر

یادوں کے گُلستاں میں اب وہ بلبل نہیں آتی
آتی تو ہے اک یاد مگر پل پل نہیں آتی
سرِ راہ کوئی چلمن میں اب دیکھتا نہیں
اب راستے میں میرے کوئی دلدل نہیں آتی
خوابوں کے سلسلے میں تسلسل نہیں رہا
نیند بھی اب رات بھر مسلسل نہیں آتی
اب چاندنی بھی چھت پہ میری بیٹھ جاتی ہے
اسے دیکھ کے میرے جذبوں میں ہلچل نہیں آتی
لیلیٰ کا سارا قصہ اُسے یاد ہے مگر
مجنوں کی داستان اسے مکمل نہیں آتی
عادت پڑی ہے اُس کو بھٹک جانے کی بار بار
آ عر کے راستوں پہ کبھی منزل نہیں آتی

اختر رسول ظافر

ہم جاہ و حشمت کے مارے ہوئے لوگ
اوجِ شرافت سے اُتارے ہوئے لوگ
ہم لوگ کہ مارے ہوئے پیر حرم کے
ہم لوگ کہ مارے ہوئے اہلِ ستم کے
مذہب کی دکانوں کا سامان ہیں یارو
ہم بازارِ جہلاں کے نگہبان ہیں یارو
ہوتا ہے کبھی اذن کہ سوچوں کو مٹا دو
مٹا دو سر مقتل ان غنچہ زنوں کو
وہ زہر کے پیالے ان اہلِ جنوں کو
جو ذہن رسا ہیں انہیں ڈالوں تہہ زنداں
اس سوچ کے ماروں کے ڈالوں تہہ زنداں
لوگو میرے لوگوُ ذرا سوچو میرے لوگ
ذرا ہوش سے اپنی عقل کو سینچو میرے لوگ

طفیل عامر سندھو

بات بنے گی پر سجدے میں
رکھنا ہوگا سر سجدے میں
کیا تعلق مولا سے ہو
وہ جو ہوں شب بھر سجدے میں
خود سے بھی تو پوچھا کریں یہ
کیوں نہیں دیدہ تر سجدے میں
اشک بہا یا باتیں کر لے
جو کرنا ہے کر سجدے میں
ایسی بے صبری بھی کیا ہو
پوچھتے رہنا ہر سجدے میں
ایک اثر یہ بھی دیکھا ہے
دشمن کا نہ ڈر سجدے میں
فرق ہو جینے اور مرنے میں
مرنا ہے تو مر سجدے میں
روکا گیاں ہوں عامؔر جس سے
یاد رہے وہ در سجدے میں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

زخموں سے کہاں، لفظوں سے ماری گئی ہوں مَیں
جیون کے چاک سے یوں اتاری گئی ہوں مَیں
مجھ کو مرے وجود میں بس تُو ہی تُو ملا
ایسے تری مہک سے سنواری گئی ہوں میں
افسوس مجھ کو اُس نے اُتارا ہے گور میں
جس کے لئے فلک سے اُتاری گئی ہوں میں
مجھ کو کیا ہے خاک تو پھر خاک بھی اُڑا
اے عشق تیری راہ میں واری گئی ہوں مَیں
لو آ گئی ہوں ہجر میں مرنے کے واسطے
اتنے خلوص سے جو پکاری گئی ہوں مَیں
میری صداقتوں پہ تمہیں کیوں نہیں یقین
سَو بار آگ سے بھی گزاری گئی ہوں مَیں
تم جانتے نہیں ہو اذیت کے کیف کو
ہجرت کے کرب سے تو گزاری گئی ہوں مَیں
مَیں مٹ چکی ہوں اور نمایاں ہوا ہے تُو
مُرشد خمار میں یوں خماری گئی ہوں مَیں
اس وجد میں موجود کہاں ہے مرا وجود
جانے کہاں پہ ساری کی ساری گئی ہوں مَیں
مقتل میں جان دینا تھی پیاروں کے واسطے
مَیں ہی تھی ان کو جان سے پیاری گئی ہوں مَیں
یہ قرضِ عشق مَیں نے چکانا تھا اس لئے
شاہین اپنی جان سے واری گئی ہوں مَیں

مینا نقوی

کل جو ٹھوکر پہ رکھتے تھے دولت کی دستاروں کو
شاہوں کی دہلیز پہ بیٹھے دیکھا ان فنکاروں کو
میری کشتی کیوں ڈوبی یہ بات سمجھ میں تب آئی
جب موجوں سے ملتے دیکھا میں نے روز کناروں کو
مانا میرے پاؤں کے چھالے پھوٹ گئے اور درد ہوا
دیکھو میں نے سرد کیا ہے کچھ جلتے انگاروں کو
سورج بیچ جلن کے بو کر دن بھر محنت کرتا ہے
پھر بھی روک نہیں پاتا ہے سایہ دار چناروں کو
باپ کی غربت نے بیٹی کو ''مینا'' یوں کنگال کیا
سوتی آنکھیں دیکھ رہی ہیں ڈولی اور کہاروں کو

عورت اور عورت ہے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی ادبی کاوش

پھول خوشبو اور تارہ کا مسودہ میرے ہاتھ میں ہے... جسے دیکھتے ہوئے سنسکرت کے رومانی شاعر امارو کی نظم یاد آرہی ہے۔ جس کا عنوان عورت اور عورت ہے۔! ابھی تھوری دیر ہوئی کہ وہ مجھے سدا کے لئے چھوڑ گیا۔ لیکن میں ہمت سے کام لوں گی۔ اور کوئی بھی میری ناامیدی کو دیکھ نہ پائے گا۔ میں مسکراتی ہوں۔ میں تو مسکرا رہی ہوں۔ تمہاری مسکراہٹ میں ویسی ہی اداسی ہے۔ جیسی اس صبح میں جو کسی آتش زدہ گاؤں پر نمودار ہوئی ہو۔ مجھے ڈاکٹر نجمہ کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی اداسی دیکھنے کا موقع تو نہیں ملا۔۔ مگر پھول خوشبو اور تارہ کے مسودے کو دیکھتے ہوئے نجانے کیوں مجھے اس پر عورت اور عورت کا گمان گزرتا رہا۔ یعنی عورت کا عورت سے مکالمہ۔۔! عورت بھی وہ جو ڈاکٹر ہے، ماں ہے، فرماں بردار بیٹی اور بیوی ہے، مگر اس کی ذات کے کچھ حصے شاید ان تمام حیثیتوں کے درمیان ان بوجھے... ان کہے رہ گئے ہیں۔۔ ہم عورتوں کے ساتھ اکثر یہی ہوتا ہے بظاہر مکمل... اندر سے ٹوٹی اور بکھری ہوئیں۔۔ کسی پرانے درخت کی جڑوں کی طرح درد کی زمین میں دور دور تک پھیلی ہوئیں۔ کسی حل نہ ہو سکنے والے معمے کی طرح اَن بوجھی۔ پرانی حویلیوں کے دالانوں کے پیچھے دبکی ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں جیسی... جن میں دن کو بھی اندھیرا ہی چھایا رہتا ہے۔ سورج کی ایک بھولی بھٹکی کرن بھی نہیں جاگتی جن کے اندھے اندھیروں میں... لہٰذا دن میں بھی چراغ جلائے بغیر وہاں سے کچھ ڈھونڈ نکالنا ممکن نہیں ہوتا۔۔ یہی وجہ... اس نے شاعری کا چراغ جلا لیا ... اور ذات کی تاریک کوٹھڑی میں جا گھسی... ابھی تک لوٹی نہیں۔۔ وہیں کھڑی کہہ رہی ہے... جرم بس یہ تھا کہ منزل کا تعین کر لیا۔ پھر سدا رہنا پڑا ہم کو سفر کے درمیاں اس سفر کی ابتدا کیسے ہوئی۔؟ بظاہر۔ ایک ڈائری سے جس میں چھپ چھپ کر وہ تمام ایسی باتیں لکھتی رہی... جو کسی سے کہہ نہ سکتی تھی ... کسی کو سنا نہ سکتی تھی۔۔ بھول جانے والی باتیں... اور بھول کر بھی یاد رہ جانے والی باتیں...! وہ باتیں جو راتوں کی تنہائیوں میں چاند کی اداسی کے کاغذ پر سرگوشیوں کی صورت لکھی جاتی ہیں۔ اور پھر ان سرگوشیوں کو دل کے پلو سے باندھ لیا جاتا ہے... احتیاط سے... حفاظت سے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا... ڈائیری اسکی باقاعدہ رازدان بن گئی... بعد میں جب اس راز سے پردہ اُٹھا تو... انکشاف کی طرح ... اسکی پہلی کتاب پھول سے بچھڑی خوشبو... سب کے سامنے آئی... بالکل ایسے ہی جیسے آج سے بیس برس پہلے... میں نے ڈائیری میں سفرِ حج کے تاثرات رقم کئے تھے تو... مجھ پر اِک انکشاف کی طرح سفرنامہِ حج عرضِ حال اُترا تھا۔۔ اور مجھے۔ دفعتاً ادراک ہوا تھا... کہ میری ذات کے بہت سے ان کہے حصوں میں سے یہ صرف ایک حصہ تھا... اور یہ کہ ابھی ذات کی تاریک کوٹھڑیوں میں انگنت چراغ جلنے کے منتظر ہیں... جو بعد میں آہستہ آہستہ جلتے چلے گئے...!

... ایسے ہی جیسے ۔۔ ڈاکٹر نجمہ کی ذات کی تاریک کوٹھڑی میں رکھا ہوا ... یہ چوتھا چراغ۔۔ جسکے متعلق خود ڈاکٹر نجمہ کہتی ہیں... اگر میں مصروف ڈاکٹر نہ ہوتی تو شاید اب تک میری پندرہ بیس کتابیں آ چکی ہوتیں...! میں ڈاکٹر نجمہ کی اس بات سے سو فیصد اتفاق کرتی ہوں... کہ اپنی پروفیشنل لائف میں جس dedication سے وہ کام کرتی ہے... اور اپنی توانائی، اور توجہ جس طرح اپنے مریضوں پر پوری پوری نچھاور کر دیتی ہے... اس کے بعد شاعری کو وقت دینا۔۔ اور پوری دیانت داری سے اپنی ذات کی دریافت کے سفر پر روانہ ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں... ایسا وہی کر سکتے ہیں۔۔ جنہیں لگن لگی ہوتی ہے۔۔ لگن خود کو بوجھنے کی... اپنا بوجھا ہوا... سلیقے سے زمانے کے سامنے پیش کرنے کی... اور پورے وقار کے ساتھ... اپنے لکھے ہوئے ہر لفظ کو اون کرنے کی... چاہے زمانہ کچھ بھی کہے۔۔ کچھ بھی کرے اور یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے۔ جب کوئی تخلیق کار پوری سچائی سے خود کو بیان کرتا ہے... اور اس ضمن میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوتا... میں پہلی دفعہ جب ڈاکٹر نجمہ سے ملی تو یہ وصف میں نے اسکی ذات میں نمایاں دیکھا... اس نے نہایت دھیمے لہجے میں پوری سچائی سے بتایا اس کا تعلق جس قبیلے سے ہے۔ وہاں دور دور تک شاعر تو کیا... ڈاکٹر بھی کوئی نہیں...! اور یہ کہ اس قبیلے کی لڑکیاں آنکھیں بند رکھتی

ہیں ....!انہیں آنکھیں کھولنے کی اجازت نہیں....انکی زندگیوں کے فیصلے دالانوں اور حجروں میں بیٹھ کر گھر کے مرد کیا کرتے ہیں....انہیں صرف اطلاع دی جاتی ہے....اوراس اطلاع کے ہمراہ یہ ہدایت ایک وارننگ کی طرح نتھی ہوتی ہے....کہ سرخ جوڑا پہن کر ڈولی چڑھنا تو جاتے ہوئے اپنے قدموں کے نشان مٹاتی جانا....!سو اس نے بھی ایسا ہی کیا....ڈولی چڑھی تو مڑ کر پیچھے کبھی نہ دیکھا....سفر مسلسل سفر....قیام کہیں نہیں....اس سفر میں اسکی رُوح پر کیا گزری ،اس کے دل نے کیا کچھ سہا۔۔اور ایک حساس انسان ہونے کی وجہ سے زندگی کا مشاہدہ کیسا رہا....اسکی شاعری یہ سب کچھ تونہیں بتاتی البتہ....اتنا ضرور کہتی ہے کہ اک ہمہ وقت اُداسی اور تنہائی اس کے ہمراہ رہی۔۔جس سے اسکا ہمیشہ مکالمہ رہا....اس وقت بھی جب وہ شب کی آخری ساعتوں میں خود سے ہمکلام ہوئی اور اسوقت بھی ...جب کسی بھیڑ بکری نما عورت کی ڈھونڈتی نبضوں کو بحال کرنے میں اسکی مسیحائی نے اپنی پوری قوت لگا دی۔

اس وقت بھی جب وہ اپنی پہلی نظم ...ملاقات آخری لکھتے ہوئے ،درد کی اک اچھوتی واردات سے گزر رہی تھی ...اور اسوقت بھی....جب عمر اور حمزہ نے اسکی گود میں آکر اسے ماں بننے کی آسودگی سے ہم کنار کیا تھا...کہ ہر آسودہ اور ناآسودہ جذبے کا تعلق انسان کی جذباتی دنیا سے ہے...اور ایک سچے تخلیق کار کی جذباتی دنیا کم وبیش ایسی ہی ہوتی ہے...ہمہ وقت زیروزبرسی....جس کا کسی ایسی کیفیت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں....جس میں ٹھہراؤ ہو....اور آرام جیسا کوئی احساس ہو....ہمہ وقتی اضطراب اور بے چینی ،جس کا اظہار ڈاکٹر نجمہ کی شاعری ہے....حالانکہ بظاہر اس کی ذات میں ٹھہراؤ بھی ہے...اور آرام بھی ۔۔مگر زیریں سطح پر دبا دبا احتجاج ،چھپی چھپی بغاوت...صاف دکھائی دیتی ہے....گرچہ ڈاکٹر نجمہ نے نہایت عقلمندی سے اس احتجاج ،اس بغاوت کو سات پردوں میں چھپایا ہوا ہے مگر اسکی شاعری اس کا چیخ چیخ کر اعلان کرتی ہے ....اور وہ کہتی ہے...سانس لینے سے بھی اکثر روک دیتے ہیں ہمیں جان لیوا ہو چلا ہے خیر خواہوں کا حصار اور دشمنوں سے تو مجھے خوف نہیں تھا لیکن...رہ میں اپنوں کی مگر گھات نہ پوچھو یا وہ محبت کی شاعر ہے....ہر شاعر محبت کا شاعر ہی ہوتا ہے....چاہے وہ محبت جنسِ مخالف کی ہو....مخلوقِ خدا کی ...یا پھر خود خدا کی کہ شاعر کی تخلیقی کائنات میں نفرت کی کوئی جگہ ہی نہیں...وہ محبت کے علاوہ کچھ کر ہی نہیں سکتا...چنانچہ یہ محبت تمام مضامین میں اسکی ہم رکاب ہوتی ہے۔ڈاکٹر نجمہ کی شاعری میں یہ محبت ہجر کے گاڑھے شیرے میں ڈوبی ہوئی ہے۔اسی لئے ٹپ ٹپ ٹپکتی ہے ۔پورے پکے ہوئے آم کی طرح ۔ آدھے اُدھورے آنسو کی طرح اس موتی کی طرح۔ جسے سیپ کسی بے اختیاری لمحے میں سمندر سے اچانک اگل دیتی ہے ....!

میں نے اسکی شاعری میں جا بجا یہ کیفیت محسوس کی ہے۔...جس کی آنچ میں کبھی وہ شعر پرو رہی ہے اور کبھی نظم بن رہی ہے ....یہی کیفیت سچی شاعری کا جوہر ہے۔جس کے بغیر نہ تخلیق مکمل ہوتی ہے ،نہ تخلیق کار...ڈاکٹر نجمہ جس عمدگی سے اس کیفیت کو اپنی شاعری میں سمو رہی ہے ....اسے دیکھتے ہوئے اس کے شعری سفر کی کامیابی کی امید روشن لگنے لگتی ہے۔میری دعا ہے وہ اس سفر میں اس مقام پر پہنچ جائے ....جہاں پہنچ کر منزلیں آسان ہو جاتی ہیں ...اور مسافر تمام تر تھکن کے باوجود سرشاری جیسی کیفیت میں یہ کہہ اٹھتا ہے۔نہیں ملوں گی کسی بھی وصل آشنا سفر میں میں ہجر موسم کی شدتوں میں تمہیں ملوں گی۔اب بتائیں ایسے شعر کہنے والی شاعر کی شاعری پر مجھے عورت اور عورت کا گمان کیسے نہ گزرے اور اسکی مسکراہٹ اس مسکراہٹ سے مشابہ کیونکر نہ لگے ...جو کسی آتش زدہ گاؤں پر اچانک نمودار ہوتی ہو جذبے ،ہر اظہار میں نمایاں ہے۔وہ ہے اس کا عورت ہونا ...اور یہ عورت ۔ ڈاکٹر نجمہ شاہین سے میری پہلی ملاقات کوئٹہ ایئرپورٹ پر ہوئی۔محترم بھائی امجد اسلام امجد نے کروائی۔

——*

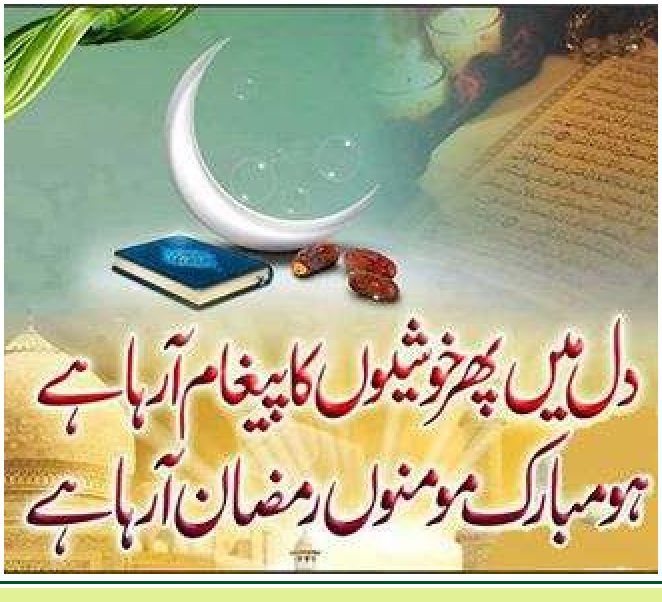

Google! کا افسر

اس وقت گوگل کے چیف ایگزیکٹو ''سندر راجن پچائی'' ہیں۔ جن کا تعلق بھارت سے ہے۔ ان کی سالانہ تنخواہ پاکستانی روپے میں 2 ارب روپے سے زائد بنتی ہے جو کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تنخواہ لینے والے ملازم بھی ہیں۔ آیئے ان کے بارے میں دوستوں کو کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں کہ ایک دو کمروں کے گھر میں چٹائی پر بیٹھ کر پڑھنے والا شخص کس طرح گوگل کا سی ای او بنا۔ سندر پچائی تامل ناڈو کے شہر مدورائی کا رہنے والا تھا جو کہ 12 جولائی 1972 کا پیدا ہوا۔ اس نے غربت میں آنکھ کھولی' والد رگوناتھ پچائی الیکٹریکل انجینئر تھا لیکن خاندان کی آمدنی بہت محدود تھی' گھر دو کمروں کا فلیٹ تھا' اس فلیٹ میں اس کا ٹھکانہ ڈرائنگ روم کا فرش تھا' وہ فرش پر چٹائی بچھا کر بیٹھ جاتا تھا' وہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتا تھا تو وہ سرہانے سے ٹیک لگا کر فرش پر ہی سو جاتا تھا' ماں کے ساتھ مارکیٹ سے سودا لانا' گلی کے نلکے سے پانی بھرنا' تار سے سوکھے کپڑے اُتارنا اور گلی میں کرکٹ کھیلنے والے بچوں کو بھگانا بھی اس کی ذمہ داری تھی' گھر کی مرغیوں اور ان کے انڈوں کو دشمن کی نظروں سے بچانا بھی اس کی ڈیوٹی تھی اور شہر بھر میں کون سی چیز کس جگہ سے سستی ملتی ہے یہ تلاش بھی اس کا فرض تھا اور باپ اور ماں دونوں کی جھڑکیاں کھانا بھی اس کی ذمہ داری تھی' وہ بارہ سال کا تھا جب ان کے گھر ٹیلی فون لگا' اس فون نے اس کا کام بڑھا دیا' وہ فلیٹس کے اس پورے بلاک کا پیغام بر بن گیا' لوگ اس کے گھر فون کر کے بلاک کے دوسرے فلیٹس کیلئے پیغام چھوڑتے تھے اور وہ یہ پیغام پہنچانے کیلئے اُٹھ کر دوڑ پڑتا تھا' وہ جوانی تک ٹیلی ویژن اور گاڑی کی نعمت سے بھی محروم رہا۔

اس کا والد پوری زندگی کار نہیں خرید سکا لیکن آج وہ نہ صرف دنیا کی سب سے بڑی آرگنائزیشن گوگل کا سی ای او تھا بلکہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ تنخواہ لینے والا ملازم بھی تھا' اس کی سالانہ تنخواہ 20 کروڑ ڈالر طے ہو چکی تھی۔ بچپن میں وہ سال سال بھر دوسرے جوتے' تیسری شرٹ اور چوتھے پین کیلئے ترستا رہتا تھا' وہ بچپن' بچپن نہیں تھا' وہ محرومی کی ایک سیاہ داستان تھی۔ پچائی کو آج بھی یاد تھا جب سٹینڈ فورڈ یونیورسٹی نے اسے ہوائی ٹکٹ بھجوایا تو اس کا والد ٹکٹ دیکھ کر حیران رہ گیا' وہ ٹکٹ اس کے والد کی سالانہ آمدنی سے بھی مہنگا تھا' اسے آج تک یہ بھی یاد تھا وہ کورس کی کتابیں مانگ کر پڑھتا تھا اور اپنی اسائنمنٹس ردی کے کاغذوں پر مکمل کرتا تھا' وہ بسوں کے ساتھ لٹک کر سفر کرتا تھا اور اسے صرف مذہبی تہواروں پر مٹھائی نصیب ہوتی تھی۔ اس نے گھسٹ گھسٹ کر چنائے سے بارھویں جماعت پاس کی' وہ اس کے بعد انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی خراگپور چلا گیا۔ اس نے وہاں ٹیوشنز پڑھا پڑھا کر میٹالرجیکل انجینئرنگ کی ڈگری لی' اس نے یہ ڈگری ٹاپ پوزیشن میں حاصل کی تھی چنانچہ دنیا میں ٹیکنالوجی کی سب سے بڑی یونیورسٹی سٹینڈ فورڈ نے اسے وظیفہ دے دیا' وہ امریکا چلا گیا۔ اس نے سٹینڈ فورڈ یونیورسٹی سے میٹالرجیکل انجینئرنگ میں ایم ایس کیا' وہ انجینئرنگ سے بڑا کام کرنا چاہتا تھا۔

2004ء میں جب گوگل میں نوکریاں نکلیں تو اس نے اپلائی کر دیا' گوگل نے اسے پراجیکٹ مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت دے دی' یہ ملازمت اس کیلئے نعمت ثابت ہوئی' سندر راجن پچائی اس یونٹ کا حصہ تھا جس نے ''گوگل کروم'' کا منصوبہ شروع کیا' یہ منصوبہ 2008ء میں مکمل ہوا اور اس کے ساتھ ہی پچائی گوگل اور امریکا دونوں میں مشہور ہو گیا' اس کا دماغ زرخیز تھا چنانچہ وہ گوگل کیلئے نئے نئے منصوبے بناتا رہا' گوگل کا ویب براؤزر ہو' اینڈرائڈ ہو یا گوگل ٹول بار' ڈیسک ٹاپ سرچ اور گوگل گیئرز یہ تمام پراجیکٹ سندر راجن پچائی نے مکمل کئے' ان منصوبوں سے گوگل کی آمدنی میں اضافہ ہوا' گوگل اس وقت دنیا کی امیر ترین کمپنی ہے' اس کی مالیت 554 ارب ڈالر ہو چکی ہے جبکہ اس کی سالانہ آمدنی 74 بلین ڈالر ہے۔ پاکستان کے کل غیر ملکی قرضے 70 بلین ڈالر ہیں' گویا گوگل ایک سال میں دنیا کی واحد اسلامی جوہری طاقت کے کل قرضوں سے زیادہ رقم کماتا ہے' یہ کمپنی سٹینڈ فورڈ یونیورسٹی کے دو طالب علموں لیری پیج اور سرجے برن نے 1996ء میں شروع کی۔ یہ دونوں اس وقت پی ایچ ڈی کے طالب علم تھے۔ گوگل کا مقصد انٹرنیٹ پر موجود مواد کو درجوں میں تقسیم کرنا اور اسے لوگوں کیلئے آسان بنانا تھا۔ گوگل 2000ء تک دنیا کا معتبر ترین سرچ انجن بن گیا' یہ کمپنی دنیا بھر سے نیا ٹیلنٹ تلاش کرتی رہتی ہے' سندر راجن پچائی بھی اس کی دریافت تھا' یہ نوجوان 1972ء میں تامل ناڈو میں پیدا ہوا' یہ 1993ء میں سٹینڈ فورڈ

یونیورسٹی پہنچا' 1995-96ء میں ایم ایس اور 2002ء میں ایم بی اے کیا' یہ زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا اور گوگل نے اسے یہ بہت کچھ کرنے کا موقع دے دیا' یہ اپنے دلچسپ آئیڈیاز کے ذریعے بہت جلد کمپنی میں اپنی جگہ بنا گیا' یہ تیزی سے ترقی کرتے ہوئے 10 اگست 2015ء کو گوگل کا سی ای او اور لیری پیج کا نائب بن گیا' کمپنی نے اسے شیئرز بھی دے دیئے یہ اس وقت 60 کروڑ 50 لاکھ ڈالرز کے شیئرز کا مالک بھی ہے۔

گوگل نے پچائی کو فروری 2016ء کے دوسرے ہفتے 19 کروڑ 90 لاکھ ڈالر تنخواہ کا چیک دیا' پچائی یہ چیک وصول کرتے ہی دنیا کا سب سے زیادہ معاوضہ لینے والا ''سی ای او'' بن گیا' ہم اگر انہیں پاکستانی روپوں میں تبدیل کریں تو یہ دو سو کروڑ روپے بنیں گے گویا تامل ناڈو کا 43 برس کا ایک غریب جوان سالانہ دو سو کروڑ روپے تنخواہ لے رہا ہے اور غریب بھی ایسا جس نے 18 سال کی عمر تک فرش پر سو کر اور فرش پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی اور جو 12 سال کی عمر تک ٹیلی فون اور امریکا آنے تک ٹیلی ویژن اور گاڑی سے محروم تھا اور جس کا پورا بچپن دوسرے جوتے' تیسری شرٹ اور چوتھے پین کو ترستے گزرا اور جو آج بھی ہندی لہجے میں انگریزی بولتا ہے اور اپنے گندمی رنگ کی وجہ سے دور سے پہچانا جاتا ہے۔

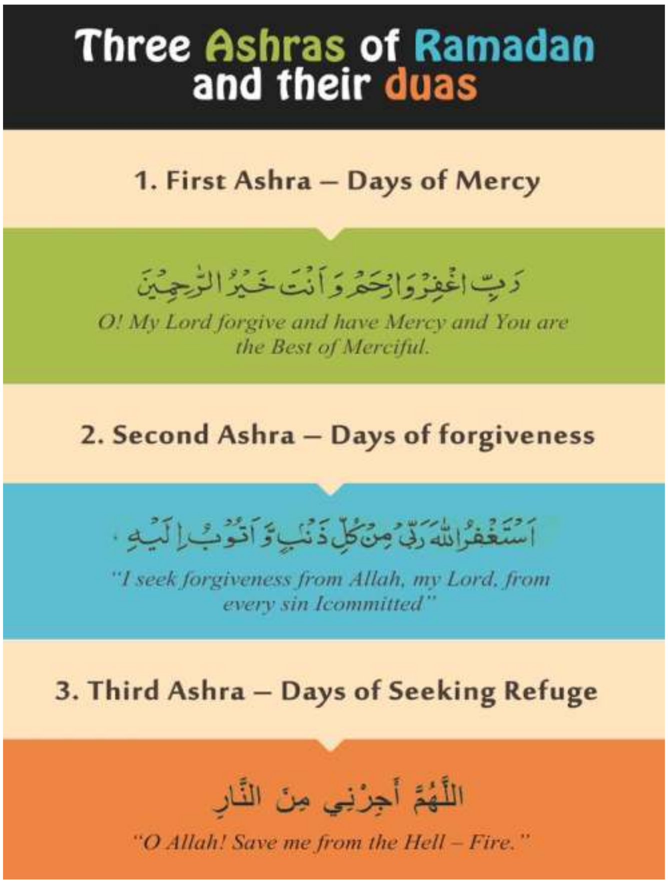

والدین کو عزّت دینے کے 35 طریقے

عاصی صحرائی

والدین کی موجودگی میں اپنے فون کو دور رکھیئے۔ اُن کی باتوں کو توجہ سے سنیئے۔ اُن کی رائے کو مقدم رکھیئے۔ اُن کی گفتگو میں شامل رہیئے۔ اُن کو عزّت سے دیکھیے۔ اُن کو ہمیشہ تعظیم دیجیے۔ اُن کے ساتھ اچھی خبر شیئر کیجیے۔ اُن کو بُری خبر بتانے سے پرہیز کیجیے۔ اُن کے دوستوں کے بارے میں اچھی باتیں کیجیے اور ان سے محبت رکھیئے۔ اُن کی گئی اچھی چیزوں کو اکثر یاد کرتے رہیں۔ اُن کی دہرائی ہوئی باتوں کو اس طرح سنیئے کہ گویا پہلی بار سُن رہے ہوں۔ ماضی کی تلخ یادوں کو ان ساتھ کبھی نہ کیجیے۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری گفتگو سے پرہیز کیجیے۔ ان کے سامنے ادب سے بیٹھنے۔ اُن کی رائے اور سوچ کے متعلق معمولی سا اختلاف بھی نہ کیجیے۔ جب وہ گفتگو کریں تو ان کی بات کو مت کاٹیے۔ اُن کی عمر کا احترام کیجیے۔ اُن کے موجودگی میں اپنے بچّوں کو نہ ڈانٹیے اور مارنے سے گریز کیجیے۔ اُن کے حکم اور مشورے کو قبول کیجیے۔ اُن کی موجودگی میں صرف ان سے ہی راہنمائی لیجیے۔ اُن کے سامنے اپنی آواز کو ہرگز اونچا نہ ہونے دیجیے۔ اُن کے ساتھ چلتے ہوئے اُن سے آگے بڑھنے یا ان کے سامنے چلنے سے پرہیز کیجیے۔ اُن سے پہلے کھانا شروع مت کیجیے۔ اُن کے سامنے خود کو نمایاں مت کیجیے۔ جب وہ خود کو کسی قابل نہ سمجھیں تو ان کو بتایئے کہ وہ آپ کے لئے قیمتی اور قابلِ احترام ہیں۔ اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنے پیر اُن کے سامنے مت کیجیے اور نہ ہی ان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھیں۔ اُن کے ساتھ بد اخلاقی سے بات مت کیجیے۔

کوشش کیجیے کہ اُن کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں شامل رکھیئے۔ اُن کی موجودگی میں خود کو ہرگز بور اور تھکا ہوا ظاہر نہ کیجیے۔ اُن کی غلطیوں اور بھول پر کبھی مت مسکرایئے۔ اُن کی زیارت برابر کرتے رہیئے۔ اُن سے بات کرتے وقت بہترین الفاظ کا چناؤ کیجیے۔ اُن کو محبت بھرے ناموں سے پکاریئے۔ جو وہ پسند کرتے ہیں۔ اُن کو ہر چیز پر مقدّم رکھیئے اور ترجیح دیجیے۔ والدین اس کرہ ارض پر خزانہ ہیں۔ سوچیئے اس سے پہلے کے یہ خزانہ دفن ہو جائے۔ اپنے والدین کو عزّت دیجیے جب تک وہ ہمارے پاس ہیں۔ آیئے آج ہی اپنے قابلِ احترام و محبت والدین کے لئے ڈھیروں دعائیں کرتے ہیں۔

زندگی کا سفر...

جب میں چار سال کا تھا۔میرے ابو سب سے اچھے ہیں۔جب میں چھ سال کا تھا۔لگتا ہے میرے ابو سب کچھ جانتے ہیں۔جب میں دس سال کا تھا۔میرے ابو بہت اچھے ہیں لیکن بس ذرا غصے کے تیز ہیں۔جب میں بارہ سال کا تھا۔میرے ابو تب بہت اچھے تھے جب میں چھوٹا تھا۔جب میں چودہ سال کا تھا۔لگتا ہے میرے ابو بہت حساس ہو گئے ہیں۔جب میں سولہ سال کا تھا۔میرے ابو جدید دور کے تقاضوں سے آشنا نہیں ہیں۔جب میں اٹھارہ سال کا تھا۔میرے ابو میں برداشت کی کمی بڑھتی جا رہی ہے۔جب میں بیس سال کا تھا۔میرے ابو کے ساتھ تو وقت گزارنا بہت ہی مشکل کام ہے، پتہ نہیں امی بیچاری کیسان کے ساتھ اتنی مدت سے گزارہ کر رہی ہیں۔جب میں پچیس سال کا تھا۔لگتا ہے میرے ابو کو ہر اس چیز پر اعتراض ہے جو میں کرتا ہوں۔جب میں تیس سال کا تھا۔میرے ابو کے ساتھ باہمی رضامندی بہت ہی مشکل کام ہے۔شاید دادا جان کو بھی ابو سے یہی شکایت ہوتی ہوگی جو مجھے ہے۔جب میں چالیس سال کا تھا۔ابو نے میری پرورش بہت ہی اچھے اصولوں کے ذریعے کی، مجھے بھی اپنے بچوں کی پرورش ایسی ہی کرنی چاہیے۔جب میں پینتالیس سال کا تھا۔مجھے حیرت ہے کہ ابو نے ہم سب کو کیسے اتنے اچھے طریقے سے پالا پوسا۔جب میں پچاس سال کا تھا۔میرے لیے تو بچوں کی تربیت بہت ہی مشکل کام ہے۔پتہ نہیں ابو ہماری تعلیم و تربیت اور پرورش میں کتنی اذیت سے گزرے ہوں گے۔جب میں پچپن سال کا تھا۔میرے ابو بہت دانا اور دور اندیش تھے اور انہوں نے ہماری پرورش اور تعلیم و تربیت کے لیے بہت ہی زبردست منصوبہ بندی کی تھی۔جب میں ساٹھ سال کا ہوا۔میرے ابو سب سے اچھے ہیں۔غور کیجیے کہ اس دائرے کو مکمل ہونے میں چھپن سال لگے اور بات آخر میں پھر پہلے والے قدم پر آ گئی کہ میرے ابو سب سے اچھے ہیں۔آیئے ہم اپنے والدین سے بہترین سلوک کریں، ان کے سامنے اف تک نہ کریں، ان کی خوب خدمت کریں اور ان سے بہت سا پیار کریں قبل اس کے کہ بہت دیر ہو جائے۔اللہ ہم سب کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک جو بقید حیات ہیں کو اچھی صحت اور لمبی عمر دے اور ان کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے، آمین۔اور یہ دعا کریں کہ اے اللہ میرے والدین پر اس طرح رحم فرما جیسے انہوں نے مجھ پر اس وقت مہربانی کی جب میں کمسن تھا۔

کامیابی کا نام

۴ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، پیشاب کپڑوں میں نہ نکلے،
۸ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، گھر جانے کا راستہ آتا ہو،
۱۲ سال کی عمر میں......کامیابی کا نام، تمھارے دوست احباب ہوں،
۱۸ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، گاڑی ڈرائیو کرنی آتی ہو،
۲۳ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، اچھی ڈگری حاصل کر لی ہو۔
25 برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، کوئی اچھی نوکری مل گئی ہو،
۳۰ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، اپنے بیوی بچے ہوں،
۳۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، مال و دولت پاس ہوں،
۴۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، اپنا آپ جوان لگے،
۵۰ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، بچے تمہاری اچھی تربیت کا صلہ دیں۔
۵۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، ازدوجی زندگی میں بہار قائم رہے،
۶۰ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، ۶۰ اچھی طرح سے گاڑی ڈرایو کر سکو،
۶۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، کوئی مرض نہ لگے،
۷۰ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، کسی کی محتاجی محسوس نہ ہو
۷۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، تمہارا حلقہ احباب ہو
۸۰ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، گھر جانے کا رستہ آتا ہو
۸۵ برس کی عمر میں......کامیابی کا نام، کپڑوں میں پیشاب نہ نکلے،

ومن نعمرہ ننسکہ فی الخلق افلا تعقلون (یس- 68)

اور جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم اُلٹ ہی دیتے ہیں کیا (یہ حالات دیکھ کر) انہیں عقل نہیں آتی۔ایسی ہی ہے یہ دنیا...لہٰذا دنیا کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اپنی آخرت کی فکر کریں...کیونکہ آخرت کی کامیابی ہی حقیقی کامیابی ہے، عربی عبارت سے ماخوذ۔

بادشاہ، غلام اور دولت

ایک بادشاہ نے اپنی رعایا پر ظلم و ستم کر کے بہت سا خزانہ جمع کیا تھا۔اور شہر سے باہر جنگل بیابان میں ایک خفیہ غار میں چھپا دیا تھا اس خزانہ کی دو چابیاں تھیں ایک بادشاہ کے پاس دوسری اس کے معتمد وزیر کے پاس ان دو کے علاوہ کسی کو اس خفیہ خزانہ کا پتہ نہیں تھا۔ایک دن صبح کو

بادشاہ اکیلا سیر کو نکلا۔ اور اپنے خزانہ کو دیکھنے کے لئے دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوگیا۔ خزانے کے کمروں میں سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ہیرے جواہرات الماریوں میں سجے ہوئے تھے۔ دنیا کے نوادرات کونے کونے میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسی دوران وزیر کا اس علاقہ سے گزر ہوا۔ اس نے خزانے کا دروازہ کھلا دیکھا تو حیران رہ گیا اسے خیال ہوا کہ کل رات جب وہ خزانہ دیکھنے آیا تھا شاید اس وقت وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا ہو اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے باہر سے مقفل کر دیا۔ ادھر بادشاہ جب اپنے دل پسند خزانہ کے معائنہ سے فارغ ہوا تو واپس دروازہ پر آیا لیکن یہ کیا......؟ دروازہ تو باہر سے مقفل تھا اس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا اور چیخنا شروع کیا لیکن افسوس اس کی آواز سننے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

وہ لوٹ کر پھر اپنے خزانے کی طرف گیا اور ان سے دل بہلانے کی کوشش کی لیکن بھوک اور پیاس کی شدت نے اسے تڑپانا شروع کیا وہ پھر بھاگ کر دروازہ کی طرف آیا لیکن وہ بدستور بند تھا۔ وہ زور سے چیخا چلایا۔ لیکن وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا وہ نڈھال ہو کر دروازے کے پاس گر گیا۔ جب بھوک پیاس سے وہ بری طرح تڑپنے لگا تو رینگتا ہوا ہیروں کی تجوری تک گیا اس نے اسے کھول کر بڑے بڑے ہیرے دیکھے جن کی قیمت لاکھوں میں تھی اس نے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا اے لکھ پتی ہیرو! مجھے ایک وقت کا کھانا دیدو۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ ہیرے زور زور سے قہقہے لگا رہے ہوں۔ اس نے ان ہیروں کو دیوار پر دے مارا۔ پھر وہ گھسٹتا ہوا موتیوں کے پاس گیا اور ان سے بھیک مانگنے لگا۔ اے آبدار موتیو! مجھے ایک گلاس پانی دیدو۔ لیکن موتیوں نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور کہا اے دولت کے پجاری کاش تو نے دولت کی حقیقت سمجھ لی ہوتی۔ تیری ساری عمر کی کمائی ہوئی دولت تجھے ایک وقت کا کھانا اور پانی نہیں دے سکتی۔ بادشاہ چکرا کر گر گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے سارے ہیرے اور موتی بکھیر کر دیوار کے پاس اپنا بستر بنایا اور اس پر لیٹ گیا وہ دنیا کو ایک پیغام دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس کاغذ اور قلم نہیں تھا۔ اس نے پتھر سے اپنی انگلی کچلی اور بہتے ہوئے خون سے دیوار پر کچھ لکھ دیا۔ حکومتی عہدیدار بادشاہ کو تلاش کرتے رہے لیکن بادشاہ نہ ملا جب کئی دن کی تلاش بے سود کے بعد وزیر خزانہ کا معائنہ کرنے آیا تو دیکھا بادشاہ ہیرے جواہرات کے بستر پر مرا پڑا ہے۔ اور سامنے کی دیوار پر خون سے لکھا ہے۔ ''یہ ساری دولت ایک گلاس پانی کے برابر بھی نہیں ہے۔''

مورّخ کیا لکھے گا؟...

مورخ لکھے گا ؟؟؟۔ مورخ لکھے گا پاکستان سپر لیگ کے نام پر کھیل بیرون ممالک ہوئے... مورخ لکھے گا آٹھ دس بزنس مین افراد کو کرکٹ ٹیمیں فروخت کی گئیں۔ مورخ لکھے گا بیرون ممالک سے آئے چند کھلاڑیوں کے لئے کروڑوں خرچ کئے گئے۔ مورخ لکھے گا سارے شہر کو خوف زدہ کر کے پاکستان کا سافٹ امیج دینے کی کوشش ہوئی، مورخ لکھے گا پاکستان سپر لیگ میں شہباز شریف نے نواز شریف کو دعوت دی۔ مورّخ لکھے گا کھیل کے لئے شہر میں مساجد تک سیل کر دی گئیں۔ مورّخ لکھے گا کہ کروڑوں کی لاگت سے کھیل تب ہوا جب قرضہ لے کر قرضے کی قسط واپس کی جاتا تھی۔ مورّخ لکھے گا کھیل کے میدان میں عوام سے زیادہ فورسز کے جوان موجود تھے۔ مورّخ لکھے گا جس شہر میں فرش پر تڑپتے لوگ سانسیں گنوا بیٹھے ہیں وہاں سیکیورٹی کے نام پر ہسپتال بند دیا گیا۔ مورّخ لکھے گا حکمرانوں نے کھیل کے نام پر عوام پر زندگی تنگ کر دی۔ مورّخ لکھے گا مسلکی فسادات کو ہوا دینے والوں نے کھیل کے لئے عبادت گاہیں بند کر دیں۔ مورّخ لکھے گا کرکٹ کو ملک میں لا کر مسلحہ دہشت گردوں کے مقابلے کی ناکام کوشش کی گئی۔ مورّخ لکھے گا کلمہ کی بنیاد پر بنائے گئے ملک میں چوکوں اور چھکوں پر رقص کناں رقاصاؤں کی حفاظت کے نام پر اذان بند کروا دی گئی۔ مورّخ لکھے گا عوام نے حکمرانوں کا گریبان نہیں پکڑا۔ مورّخ لکھے گا بڑے بڑے لکھاریوں نے اور انصاف کے ٹھیکداروں نے کھیل کے نام پر دہشت پھیلائی۔ مورّخ لکھے گا یہ قوم اپنوں کے مرنے پر کھیل کا میدان سجاتی ہے اور رقص کرتی ہے۔ مورّخ لکھے گا کے ملاں کبھی نہیں بولا جب جب اس کا منہ پیسوں سے بند کر دیا گیا۔ مورّخ لکھے گا پاکستان سپر لیگ نامی اس گیم کو ملک سے باہر مکمل کروانے سے زیادہ اس میچ پر خرچ کیا گیا۔ مورّخ لکھے گا کھیل دیکھانے اور سہولیات کے نام پر بنا۔ پاجامے کے پانامے والوں نے کیسے لوٹا۔ مورّخ لکھے گا کے 22 کروڑ عوام کو تماشا بنا کر مداری کھیلتا رہا۔ میں سوچتا ہوں کے کہ مورّخ یہ سب حقیقتیں لکھے گا؟؟

نوٹ:: مورّخ یہ سب اسی وقت لکھے گا جب مورّخ انسان کا بچہ ہوگا ورنہ غلامی کا طوق سجائے لکھنے والے لکھاریوں سے تو حال بھی بھرا ہوا ہے مورّخ کو چاپلوسی والے الفاظ کم ہونگے ہاں اگر سچ لکھے گا تو تاریخ میں شاید ایسی غلطی پھر کبھی نا ہو۔

بچے کی عصری حیثیت

”دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کیا ہے؟“

ایک شوخ مولوی صاحب سے پوچھا گیا مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا ”چار عورتیں خاموش بیٹھی ہوئی تھیں“ غلط بالکل غلط آپ کا جواب غلط ہے۔تو پھر صحیح جواب کیا ہے؟ مولوی نے اُس شوخ بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اپنے ہم جماعتوں کو بتایئے۔ چار مسلمان ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے پانچویں مسلمان بھائی کی غیبت نہیں کر رہے تھے۔“ آپس کے معاملات سدھارنے کے لیے کتنی زبردست ہیں یہ نو باتیں، کاش ہم اسے اپنے عمل میں لائیں!!!

1-**فتبینوا**:کوئی بھی بات سن کر پھیلانے سے پہلے تحقیق کرلیا کرو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ بات سچ نہ ہو اور کسی کو انجانے میں نقصان پہنچ جائے۔

2-**فاصلحوا**:دو بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

3-**واقسطوا**:ہر جھگڑے کو حل کرنے کی کوشش کرو اور دو گروہوں کے درمیان انصاف کرو۔اللہ کریم انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

4-**لا یسخر**:کسی کا مذاق مت اڑاؤ۔ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک تم سے بہتر ہو۔

5-**ولا تلمزوا**۔کسی کو بے عزّت مت کرو۔

6-**ولا تنابزوا**:لوگوں کو برے القابات (الٹے ناموں) سے مت پکارو۔

7-**اجتنبوا کثیرا من الظن**:برا گمان کرنے سے بچو کہ کچھ گمان گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

8-**ولا تجسّسوا**:ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو۔

9-**ولا یغتب بعضھم بعضا**:تم میں سے کوئی ایک کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔(سورہ الحجرات)

اللہ کریم اخلاص کے ساتھ عمل کرنیکی توفیق دے۔آمین یارب العالمین۔

قائداعظم ایک ذہین شخص

قائداعظم کی ذہانے کی ہر کوئی ایسے ہی داد نہیں دیتا۔یہ تحریر پڑھ کر مسکرایئے اور اپنے عظیم لیڈر کو سلام پیش کریں۔قائداعظم سفرِ ریل کے دوران اپنے لیے دو برتھیں مخصوص کرایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی تو جواب میں انھوں نے یہ واقعہ سنایا ”میں پہلے ایک ہی برتھ مخصوص کراتا تھا۔ایک دفعہ کا ذکر ہے، میں لکھنؤ سے بمبئی جارہا تھا۔کسی چھوٹے سے اسٹیشن پر ریل رکی تو ایک اینگلو انڈین لڑکی میرے ڈبے میں آکر دوسری برتھ پر بیٹھ گئی چونکہ میں نے ایک ہی برتھ مخصوص کرائی تھی، اس لیے خاموش رہا۔ریل نے رفتار پکڑی تو اچانک وہ لڑکی بولی ”تمہارے پاس جو کچھ ہے فوراً میرے حوالے کردو، ورنہ میں ابھی زنجیر کھینچ کر لوگوں سے کہوں گی کہ یہ شخص میرے ساتھ زبردستی کرنا چاہتا ہے۔“ میں نے کاغذات سے سر ہی نہیں اٹھایا۔اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔میں پھر خاموش رہا۔آخر تنگ آکر اس نے مجھے جھنجھوڑا تو میں نے سر اٹھایا اور اشارے سے کہا ”میں بہرہ ہوں، مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔جو کچھ کہنا ہے، لکھ کر دو۔“ اس نے اپنا مدعا کاغذ پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔میں نے فوراً زنجیر کھینچ دی اور اسے مع تحریر ریلوے حکام کے حوالے کر دیا۔اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ دو برتھیں مخصوص کراتا ہوں۔“

پھر تو آپ کو شرم بھی آنی چاہیے!

۲۰۰۹ء کی بات ہے میرے فون پر ایک غیر معروف نمبر سے کال آئی۔کال کرنے والے نے اپنا تعارف ملیر کے کسی تھانے کے ایس ایچ او کی حیثیت سے کراتے ہوئے آگاہ کیا کہ آپ کا بیٹا مرکزی شاہراہ پر رانگ سائیڈ سے جا رہا تھا جس پر اسے رُکنے کا اشارہ کیا گیا تو یہ رُکا نہیں۔تعاقب کر کے پکڑا ہے تو کہہ رہا ہے کہ ”میرا باپ صحافی ہے۔“ میں نے عرض کیا” آپ نے جو قانونی کارروائی کرنی ہے وہ ضرور کیجیے لیکن ساتھ ہی میری جانب سے اسے 10 تھپڑ ضرور رسید کیجیے تاکہ اسے علم ہوسکے کہ اس کے باپ کا صحافی ہونا اسے دو ٹکے کا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔“ یہ کہہ کر میں نے فون کاٹ دیا۔وہ دن ہے یہ دن ہے میرے بچے کسی کو میرے صحافی ہونے کی دھمکی نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں باپ کام بھی نہیں آئے گا اور دس تھپڑ بھی لگوائے گا۔ہم ایک بلیک میلر قوم ہیں، ہمارا جرنیل بکتر بند اور بندوق دکھا کر سول حکومتوں کو بلیک میل کرتا ہے جیسے رکھوالا نہیں لٹیرا ہو۔ہمارا جج توہین عدالت کی ڈھال کے پیچھے کھڑے ہو کر ”نتائج بھگتنے“ کی دھمکیاں دیتا ہے، جیسے جج نہیں جگا ہو۔ہمارا صحافی کیمرہ لے کر لوگوں کا تخلیہ روندنے کا جرم الگ کرتا اور اکڑتا الگ ہے، جیسے یہ ملک اس کے باپ کا ہو۔میں سلام کرتا ہوں لاہور کے اس ٹریفک وارڈن کو جس نے کئی سال قبل میرے ایک اخبار نویس دوست کو سگنل توڑنے پر روکا اور اس نے دھمکی کے لئے پریس کارڈ لہرایا تو کارڈ دیکھ کر پورے احترام کے ساتھ فرمایا ”اچھا آپ صحافی ہیں؟ پھر تو آپ کو شرم بھی آنی چاہیے!“

آوازیں... جسٹس شارٹ کٹ

یزید صدیقی

خبر کے مطابق اسلام آباد ہائی کورٹ کے مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کے کیس میں فیصلہ لکھواتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔جسٹس صدیقی نے 2002ء میں متحدہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا لیکن الیکشن ہار گئے۔ 2007ء میں مولانا عبدالعزیز عرف برقعہ ملاں کے وکیل بن گئے اور انکی لال مسجد کیس میں ضمانت کروائی سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کو جب عدالت میں پیش کیا گیا تو جسٹس صاحب نے اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور اس کے وکیل بن گئے اس سال ویلنٹائن ڈے پر انہوں نے پابندی لگائی اور غریب پھول بیچنے والوں کو گرفتار کرنے کا آڈر جاری کیا ان کے خلاف بحیثیت جج اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے تین مقدمات سپریم جوڈیشنل کونسل میں زیر التواء ہیں۔ایک مقدمہ میں ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے لئے سرکاری گھر الاٹ کروایا اور اس کی تزئین اور آرائش پر سرکار کے سوا کروڑ روپے خرچ کروائے۔ مذہبی انتہا پسندی اور بدعنوانی الزامات، آج کل ہماری عدالتوں پر اس طرح کے منصفوں کا قبضہ ہے۔

بادشاہ مراد

بادشاہ مراد نے ایک رات بڑی گھٹن اور تکلیف محسوس کر رہا تھا لیکن وہ اس کا سبب نہ جان سکا،اس نے اپنے سکیورٹی انچارج کو بلایا اس کو اپنی بے چینی کی خبر دی انچارج کو بھی کچھ سمجھ نہ آئی۔بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ اکثر بھیس بدل کر عوام کی خفیہ خبر گیری کرتا تھا۔ بادشاہ نے انچارج سے کہا کہ چلو چلتے ہیں اور کچھ وقت لوگوں میں گزارتے ہیں شاید بے چینی ختم ہو جائے۔شہر کے ایک کنارے پر پہنچے تو دیکھا ایک شخص گرا پڑا ہے تو بادشاہ نے اسکو ہلا کر دیکھا تو وہ مردہ تھا۔بادشاہ نے سب کو آواز دے کر بلا لیا اور بادشاہ نے کہا کہ آدمی مرا ہوا ہے اس کو کسی نے کیوں نہیں اُٹھایا کون ہے یہ اور اس کے گھر والے کہاں رہتے ہیں۔لوگوں نے کہا یہ زندیق شخص ہے بڑا شرابی اور زانی آدمی تھا،بادشاہ نے کہا کیا یہ اُمت محمدیہ میں سے نہیں ہے چلو اس کو اُٹھاؤ اور اس کے گھر لے چلو

لوگوں نے میت کو گھر پہنچا دیا اس کی بیوی شوہر کی لاش دیکھ کے رونا شروع ہو گئی اور لوگ چلے گئے بادشاہ اور اس کے سپاہی وہیں کھڑے تھے اور عورت کا رونا سن رہے تھے تب عورت نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں بیشک تو اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور نیک لوگوں میں سے ہے سلطان نے کہا یہ کیسے ولی ہوسکتا ہے لوگ تو اس کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ یہ شرابی اور زانی ہے تو وہ عورت بولی کہ مجھے بھی لوگوں سے یہی امید تھی کیونکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ میرا شوہر ہر روز شراب خانے سے جتنی زیادہ ہو سکے شراب خرید کر گھر لا کر گڑھے میں بہا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ چلو کچھ تو گناہوں کا بوجھ مسلمانوں سے ہلکا ہوا،اس طرح کسی ایک طوائف کے پاس جاتا اور اس کو ایک رات کی اُجرت دیتا اور اس کو کہتا کہ اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر لو کوئی تیرے پاس نہ آئے،گھر آ کر کہتا الحمدللہ آج اس عورت کا اور نوجوانوں مسلمانوں کے گناہوں کا کچھ بوجھ میں نے ہلکا کر دیا ہے،لوگ اسے شراب خانے اور طوائف کے گھروں سے واپس گھر آتا جاتا دیکھتے تھے،میں اسے کہتی تھی جس دن تو مر گیا لوگوں نے تجھے نہ غسل دینا ہے نہ تیری نماز جنازہ پڑھانی ہے اور نہ تجھے دفنانا ہے تو وہ کہتا تھا کہ میرا جنازہ وقت کے بادشاہ،علماء اور اولیاء پڑھیں گے۔بادشاہ رو پڑے اور کہنے لگے میں سلطان مراد ہوں ہم کل آئیں گے اور اس شخص کا جنازہ بادشاہ، علماء اور اولیاء نے ہی پڑھا۔

دائیں سے بائیں: الطاف حسین حالی،مولوی نظیر احمد،نواب محسن الملک،اور نواب وقار الملک جناب مشتاق حسین
پشت پر کھڑے ہیں: پروفیسر تھامس آرنالڈ،اور مولانا شبلی نعمانی

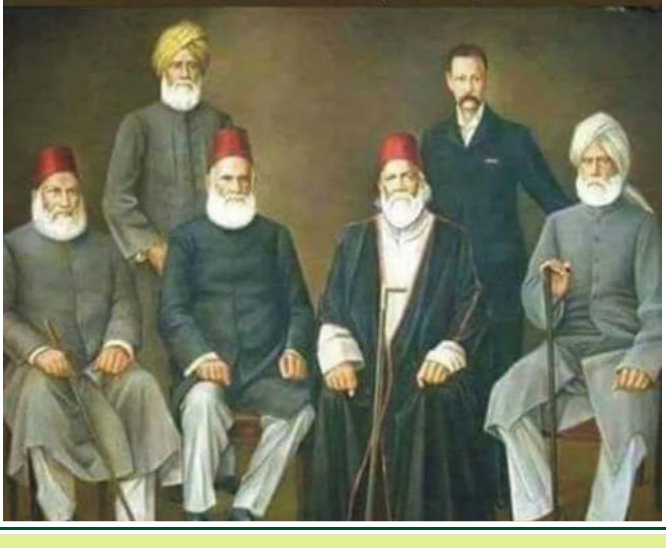

مستقل مزاج مادام کیوری (مانیا سکلوڈووسکا)

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

پولینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک غریب لڑکی رہتی تھی' اس کا نام مانیا سکلوڈووسکا تھا' وہ ٹیوشن پڑھا کر گزر بسر کرتی تھی' 19 برس کی عمر میں وہ ایک امیر خاندان کی دس سال کی بچی کو پڑھاتی تھی' بچی کا بڑا بھائی اس میں دلچسپی لینے لگا' وہ بھی اس کی طرف مائل ہوگئی چنانچہ دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن جب لڑکے کی ماں کو پتہ چلا تو اس نے آسمان سر پر اُٹھا لیا' اس نے مانیا کو کان سے پکڑا اور پورچ میں لا کھڑا کیا' اس نے آواز دے کر سارے نوکر جمع کئے اور چلا کر کہا' دیکھو یہ لڑکی جس کے پاس پہننے کیلئے صرف ایک فراک ہے' جس کے جوتوں کے تلوؤں میں سوراخ ہیں اور جسے 24 گھنٹے میں صرف ایک بار اچھا کھانا نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی ہمارے گھر سے' یہ لڑکی میرے بیٹے کی بیوی بننا چاہتی ہے' یہ میری بہو کہلانے کی خواہش پال رہی ہے'' تمام نوکروں نے قہقہہ لگایا اور خاتون دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی' مانیا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے اوپر تیزاب کی بالٹی اُلٹ دی ہو' وہ توہین کے شدید احساس میں گرفتار ہوگئی اور اس نے اسی پورچ میں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا وہ زندگی میں اتنی عزت' اتنی شہرت کمائے گی کہ پورا پولینڈ اس کے نام سے پہچانا جائے گا۔ یہ 1891ء تھا' وہ پولینڈ سے پیرس آئی۔ اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور فزکس پڑھنا شروع کر دی' وہ دن میں 20 گھنٹے پڑھتی تھی' اس کے پاس پیسہ دھیلا تھا نہیں جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اسی میں گزر بسر کرتی تھی' وہ روز صرف ایک شلنگ خرچ کرتی تھی' اس کے کمرے میں بجلی' گیس اور کوئلوں کی انگیٹھی تک نہیں تھی' وہ برفیلے موسموں کی راتیں کپکپا کر گزارتی تھی' جب سردی برداشت سے باہر ہو جاتی تھی تو وہ اپنے سارے کپڑے نکالتی تھی' آدھے بستر پر بچھاتی تھی اور آدھے اوپر اوڑھ کر لیٹ جاتی تھی' پھر بھی گزارہ نہ ہوتا تو وہ اپنی ساری کتابیں حتیٰ کہ اپنی کرسی تک اپنے اوپر گرا لیتی تھی' پورے پانچ برس اس نے ڈبل روٹی کے سوکھے ٹکڑوں اور مکھن کے سوا کچھ نہ کھایا۔ نقاہت کا یہ عالم ہوتا تھا وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتی تھی لیکن جب ہوش آتا تھا تو وہ اپنی بے ہوشی کو نیند قرار دے کر خود کو تسلی دے لیتی تھی' وہ ایک روز کلاس میں بے ہوش ہوگئی' ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا آپ کو دوائی کی بجائے دودھ کے ایک گلاس کی ضرورت ہے۔ اس نے یونیورسٹی ہی میں پائری نام کے ایک سائنس دان سے شادی کر لی تھی۔ وہ سائنس دان بھی اسی کی طرح مفلوک الحال تھا۔ شادی کے وقت دونوں کا کل اثاثہ دو سائیکل تھے۔ وہ غربت کے اسی عالم کے دوران پی ایچ ڈی تک پہنچ گئی' مانیا نے پی ایچ ڈی کیلئے بڑا دلچسپ موضوع چنا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا وہ دنیا کو بتائے گی یورینیم سے روشنی کیوں نکلتی ہے۔

یہ ایک مشکل بلکہ ناممکن کام تھا لیکن وہ اس پر جت گئی' تجربات کے دوران اس نے ایک ایسا عنصر دریافت کر لیا جو یورینیم کے مقابلے میں 20 لاکھ گنا روشنی پیدا کرتا ہے اور اس کی شعاعیں لکڑی' پتھر' تانبے اور لوہے غرض دنیا کی ہر چیز سے گزر جاتی ہی۔ اس نے اس کا نام ریڈیم رکھا۔ یہ سائنس میں ایک بہت بڑا دھماکہ تھا' لوگوں نے ریڈیم کا ثبوت مانگا۔ مانیا اور پائری نے ایک خستہ حال احاطہ لیا جس کی چھت سلامت تھی اور نہ ہی فرش اور وہ چار برس تک اس احاطے میں لوہا پگھلاتے رہے' انہوں نے تن و تنہا 8 ٹن لوہا پگھلایا اور اس میں سے مٹر کے دانے کے برابر ریڈیم حاصل کی' یہ چار سال ان لوگوں نے گرمیاں ہوں یا سردیاں اپنے اپنے جسموں پر جھیلیں۔ بھٹی کے زہریلے دھوئیں نے مانیا کے پھیپھڑوں میں سوراخ کر دیئے لیکن وہ کام میں جتی رہی' اس نے ہار نہ مانی یہاں تک کہ پوری سائنس اس کے قدموں میں جھک گئی۔ یہ ریڈیم کینسر کے لاکھوں کروڑوں مریضوں کیلئے زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ ہم آج جسے شعاؤں کا علاج کہتے ہیں یہ مانیا ہی کی ایجاد تھی' اگر وہ لڑکی چار سال تک لوہا نہ پگھلاتی تو آج کینسر کے تمام مریض مرجاتے' یہ لڑکی دنیا کی واحد سائنس دان تھی جسے زندگی میں دوبار نوبل پرائز ملا۔ جس کی

زندگی پر 30 فلمیں اور سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور جس کی وجہ سے آج سائنس کے طالب علم پولینڈ کا نام آنے پر سر سے ٹوپی اتار دیتے ہیں۔ جب دنیا نے مادام کیوری کو اس ایجاد کے بدلے اربوں ڈالر کی پیش کش کی تو اس نے پتہ ہے کیا کہا؟ اس نے کہا' میں یہ دریافت صرف اس کمپنی کو دوں گی جو پولینڈ کی ایک بوڑھی عورت کا مفت علاج کرے گی۔ جی ہاں! وہ امیر پولش عورت جس نے کبھی کیوری کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا۔ وہ اس وقت کینسر کے مرض میں مبتلا ہو چکی تھی اور وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑی تھی۔

حیرت انگیز سچائی

زندگی کی حیرت انگیز سچائی یہ ہے کہ زیادہ تر فرسٹ ڈویژن کامیاب طالب علم ٹیکنیکل سائیڈ اختیار کرتے ہیں یعنی کوئی انجینئر بنا کوئی ڈاکٹر تو کوئی کسی مشینی ادارے کی ٹیم کا لازمی ممبر سیکنڈ ڈویژن طالبعلم CSS اور PCS کر کے ایڈمنسٹریٹر بن جاتے ہیں اور فرسٹ ڈویژن والوں پر حکم چلاتے ہیں۔ تھرڈ ڈویژن کامیاب طالب علم سیاست میں داخل ہونے اور وزیر اور ایم ایل اے اور ایم پی بن جاتے ہیں اور دونوں افراد پر راج کرتے ہیں اور مذکورہ دونوں افراد پر راج کرتے ہیں۔ فیل ہونے والے طالب علم "انڈرورلڈ" کو جوائن کر کے تمام فرسٹ سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن کامیاب طالب علموں پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں۔

جعل ساز کون

دو دن پہلے ایک شادی پر جانا ہوا ہال کے ایک کونے پر نظر گئی تو ایک جان پہچان والے شخص پر نظر پڑی جو اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ جا کر میں بھی بیٹھ گیا۔ بڑی گرم جوشی سے ملا وہ شخص...سرفراز نام ہے اس کا سگیاں بائی پاس کے قریب وہی کام کرتا ہے....جو میں کرتا ہوں...یعنی گاڑیوں کے پرزے اور انجن آئل وغیرہ کا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد وہی عام طور پر کہی جانے والی باتیں شروع ہو گئیں۔ یعنی مہنگائی اور کاروباری مندے کا رونا۔ کہنے لگا سلطان ایک کام کوئی نہیں چل رہا اوپر سے گاہک بھی ایسے کے سالوں کو مرنا بھولا ہوا ہے۔ خدا خوفی تو گویا ہے ہی نہیں ابھی پرسوں کی بات ہے ایک بندے نے گاڑی کو آئل تبدیل کروایا پچیس سو بل بنا اُس نے پیسے دیئے اور چلا گیا بعد میں پتہ چلا کہ سالا ایک ہزار کا نوٹ جعلی دے گیا۔ اوہ میرے منہ سے نکلا پھر؟ پھر کیا۔ بڑی گالیاں نکالی۔ پتا نہیں کون تھا پہلی بار آیا تھا وہ تو شکر ہے کہ میں نے آئل ہی جعلی ڈالا اس کی گاڑی میں ورنہ میں تو مارا جاتا۔ اس دوران روٹی کھل گئی اور پورے ہال میں مانو بھونچال آ گیا۔ سرفراز مرغی کے کورمے کو ڈھیر پلیٹ میں لئے فاتحانہ انداز میں واپس آ گیا۔ میں سمجھا شاید میرے لئے بھی لے آیا کھانا، بعد میں تو شادی ہال والے خراب کھانا دینا شروع کر دیتے ہیں۔ میں اُٹھا اور بریانی واپس لے کر آ گیا اور سرفراز سے پوچھا اس جعلی ہزار روپے کے نوٹ کا کیا کیا تم نے؟ دُلہے کے والد کو سلامی میں دے دیا وہ نٹ۔ اور میز کے نیچے چھپائی چار بوتلوں میں سے ایک کو آدھا خالی کر دیا اور چھ سیکنڈ دورانیہ کا لمبا ڈکار لیا۔ گرر پم کی آواز کے بعد دونوں ہاتھ جوڑے۔ عقیدت سے آنکھیں بند کیں اور بولا شکر الحمد للہ۔

(ماخوذ)

اطاعت و خدمت کا صلہ

نوجوان کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس نے پلکوں پر ٹشو رکھ لیا، ہم سب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کی یہی صورتحال ہوتی، آپ ایک لمحے کے لیے خود سوچئے اگر آپ نے اچھی پوزیشن کے ساتھ ایم بی اے کیا ہو' اگر آپ ایک صحت مند اور خوبصورت جوان ہو لیکن آپ نوکری کے لیے جہاں بھی درخواست دیتے ہوں، آپ کو صاف جواب مل جاتا ہو تو آپ پر کیا گزرتی، آپ کا ردعمل کیا ہوتا لہٰذا نوجوان بری طرح داخلی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ میں نے اس سے کہا" میں تمہیں ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں" اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر اور بے بسی تھی، میں نے عرض کیا۔ "کیپ ٹاؤن کی میڈیکل یونیورسٹی کو طبی دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا پہلا بائی پاس آپریشن اسی یونیورسٹی میں ہوا تھا' اس یونیورسٹی نے تین سال پہلے ایک ایسے سیاہ فام شخص کو" ماسٹر آف میڈیسن" کی اعزازی ڈگری دی جس نے زندگی میں کبھی سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ جو انگریزی کا ایک لفظ پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی لکھ سکتا تھا

لیکن 2003ء کی ایک صبح دنیا کے مشہور سرجن پروفیسر ڈیوڈ ڈینٹ نے یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں اعلان کیا، ہم آج ایک ایسے شخص کو میڈیسن کی اعزازی ڈگری دے رہے ہیں۔جس نے دنیا میں سب سے زیادہ سرجن پیدا کیے، جو ایک غیر معمولی استاد اور ایک حیران کن سرجن ہے اور جس نے میڈیکل سائنس اور انسانی دماغ کو حیران کر دیا۔اس اعلان کے ساتھ ہی پروفیسر نے ہیملٹن کا نام لیا اور پورے ایڈیٹوریم نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔یہ اس یونیورسٹی کی تاریخ کا سب سے بڑا استقبال تھا''۔نوجوان چپ چاپ سنتا رہا۔

میں نے عرض کیا ''ہیملٹن کیپ ٹاؤن کے ایک دور دراز گاؤں سنیٹانی میں پیدا ہوا۔اس کے والدین چرواہے تھے، وہ بکری کی کھال پہنتا تھا اور پہاڑوں پر سارا سارا دن ننگے پاؤں پھرتا تھا، بچپن میں اس کا والد بیمار ہو گیا لہٰذا وہ بھیڑ بکریاں چھوڑ کر کیپ ٹاؤن آ گیا۔ان دنوں کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں تعمیرات جاری تھیں۔ وہ یونیورسٹی میں مزدور بھرتی ہو گیا۔اسے دن بھر کی محنت مشقت کے بعد جتنے پیسے ملتے تھے، وہ یہ پیسے گھر بھجوا دیتا تھا اور خود چنے چبا کر کھلے گراؤنڈ میں سو جاتا تھا۔وہ برسوں مزدور کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔تعمیرات کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ یونیورسٹی میں مالی بھرتی ہو گیا۔اسے ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے کا کام ملا، وہ روز ٹینس کورٹ پہنچتا اور گھاس کاٹنا شروع کر دیتا، وہ تین برس تک یہ کام کرتا رہا پھر اس کی زندگی میں ایک عجیب موڑ آیا اور وہ میڈیکل سائنس کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں آج تک کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا۔یہ ایک نرم اور گرم صبح تھی''۔نوجوان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔میں نے عرض کیا ''پروفیسر رابرٹ جوئز زرافے پر تحقیق کر رہے تھے، وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے جب زرافہ پانی پینے کے لیے گردن جھکاتا ہے تو اسے غشی کا دورہ کیوں نہیں پڑتا، انہوں نے آپریشن ٹیبل پر ایک زرافہ لٹایا، اسے بے ہوش کیا لیکن جوں ہی آپریشن شروع ہوا زرافے نے گردن ہلا دی چنانچہ انہیں ایک ایسے مضبوط شخص کی ضرورت پڑ گئی جو آپریشن کے دوران زرافے کی گردن جکڑ کر رکھے۔ پروفیسر تھیٹر سے باہر آئے، سامنے ہیملٹن گھاس کاٹ رہا تھا۔پروفیسر نے دیکھا وہ ایک مضبوط قد کاٹھ کا صحت مند جوان ہے۔ انہوں نے اسے اشارے سے بلایا اور اسے زرافے کی گردن پکڑنے کا حکم دے دیا۔ہیملٹن نے گردن پکڑ لی، یہ آپریشن آٹھ گھنٹے جاری رہا۔اس دوران ڈاکٹر چائے اور کافی کے وقفے کرتے رہے لیکن ہیملٹن زرافے کی گردن تھام کر کھڑا رہا۔آپریشن ختم ہوا تو وہ چپ چاپ باہر نکلا اور جا کر گھاس کاٹنا شروع کر دی۔دوسرے دن پروفیسر نے اسے دوبارہ بلا لیا، وہ آیا اور زرافے کی گردن پکڑ کر کھڑا ہو گیا، اس کے بعد یہ اس کی روٹین ہو گئی وہ یونیورسٹی آتا آٹھ دس گھنٹے آپریشن تھیٹر میں جانوروں کو پکڑتا اور اس کے بعد ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے لگتا، وہ کئی مہینے دوہرا کام کرتا رہا اور اس نے اس ڈیوٹی کا کسی قسم کا اضافی معاوضہ طلب کیا اور نہ ہی شکایت کی۔پروفیسر رابرٹ جوئز اس کی استقامت اور اخلاص سے متاثر ہو گیا اور اس نے اسے مالی سے ''لیب اسسٹنٹ'' بنا دیا۔ہیملٹن کی پروموشن ہو گئی۔ وہ اب یونیورسٹی آتا، آپریشن تھیٹر پہنچتا اور سرجنوں کی مدد کرتا۔یہ سلسلہ بھی برسوں جاری رہا۔

1958ء میں اس کی زندگی میں دوسرا اہم موڑ آیا۔اس سال ڈاکٹر برنارڈ یونیورسٹی آئے اور انہوں نے دل کی منتقلی کے آپریشن شروع کر دیے۔ہیملٹن ان کا اسسٹنٹ بن گیا، وہ ڈاکٹر برنارڈ کے کام کو غور سے دیکھتا رہتا، ان آپریشنوں کے دوران وہ اسسٹنٹ سے ایڈیشنل سرجن بن گیا۔اب ڈاکٹر آپریشن کرتے اور آپریشن کے بعد اسے ٹانکے لگانے کا فریضہ سونپ دیتے، وہ انتہائی شاندار ٹانکے لگاتا تھا، اس کی انگلیوں میں صفائی اور تیزی تھی، اس نے ایک ایک دن میں پچاس پچاس لوگوں کے ٹانکے لگائے۔وہ آپریشن تھیٹر میں کام کرتے ہوئے سرجنوں سے زیادہ انسانی جسم کو سمجھنے لگا چنانچہ بڑے ڈاکٹروں نے اسے جونیئر ڈاکٹروں کو سکھانے کی ذمہ داری سونپ دی۔وہ اب جونیئر ڈاکٹروں کو آپریشن کی تکنیکس سکھانے لگا۔وہ آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی اہم ترین شخصیت بن گیا۔وہ میڈیکل سائنس کی اصطلاحات سے ناواقف تھا لیکن وہ دنیا کے بڑے سے بڑے سرجن سے بہتر سرجن تھا۔1970ء میں اس کی زندگی میں تیسرا موڑ آیا، اس سال جگر پر تحقیق شروع ہوئی تو اس نے آپریشن کے دوران جگر کی ایک ایسی شریان کی نشاندہی کر دی جس کی وجہ سے جگر کی منتقلی آسان ہو گئی۔اس کی اس نشاندہی نے میڈیکل سائنس کے بڑے دماغوں کو حیران کر دیا، آج جب دنیا کے کسی کونے میں کسی شخص کے جگر کا

آپریشن ہوتا ہے اور مریض آنکھ کھول کر روشنی کو دیکھتا ہے تو اس کامیاب آپریشن کا ثواب براہ راست ہیملٹن کو چلا جاتا ہے، اس کا محسن ہیملٹن ہوتا ہے'' میں خاموش ہو گیا۔ نوجوان سنتا رہا، میں نے عرض کیا ''ہیملٹن نے یہ مقام اخلاص اور استقامت سے حاصل کیا۔

وہ 50 برس کیپ ٹاؤن یونیورسٹی سے وابستہ رہا۔ ان 50 برسوں میں اس نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ وہ رات تین بجے گھر سے نکلتا تھا، 14 میل پیدل چلتا ہوا یونیورسٹی پہنچتا اور ٹھیک چھ بجے تھیٹر میں داخل ہو جاتا۔ لوگ اس کی آمدورفت سے اپنی گھڑیاں ٹھیک کرتے تھے، ان پچاس برسوں میں اس نے کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا، اس نے کبھی اوقات کار کی طوالت اور سہولتوں میں کمی کا شکوہ نہیں کیا لہٰذا پھر اس کی زندگی میں ایک ایسا وقت آیا جب اس کی تنخواہ اور مراعات یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے زیادہ تھیں اور اسے وہ اعزاز ملا جو آج تک میڈیکل سائنس کے کسی شخص کو نہیں ملا۔ وہ میڈیکل ہسٹری کا پہلا ان پڑھ استاد تھا۔ وہ پہلا ان پڑھ سرجن تھا جس نے زندگی میں تیس ہزار سرجنوں کو ٹریننگ دی، وہ 2005ء میں فوت ہوا تو اسے یونیورسٹی میں دفن کیا گیا اور اس کے بعد یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہونے والے سرجنوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا وہ ڈگری لینے کے بعد اس کی قبر پر جائیں، تصویر بنوائیں اور اس کے بعد عملی زندگی میں داخل ہو جائیں' میں رکا اور اس کے بعد نوجوانوں سے پوچھا ''تم جانتے ہو اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا'' نوجوان خاموش رہا، میں نے عرض کیا ''صرف ایک ہاں سے' جس دن اسے زرافے کی گردن پکڑنے کے لیے آپریشن تھیٹر میں بلایا گیا تھا اگر وہ اس دن انکار کر دیتا، اگر وہ اس دن یہ کہہ دیتا میں مالی ہوں میرا کام زرافوں کی گردنیں پکڑنا نہیں تو وہ مرتے دم تک مالی رہتا یہ اس کی ایک ہاں اور آٹھ گھنٹے کی اضافی مشقت تھی جس نے اس کے لیے کامیابی کے دروازے کھول دیئے اور وہ سرجنوں کا سرجن بن گیا''۔ نوجوان خاموش رہا، میں نے اس سے عرض کیا ''ہم میں سے زیادہ تر لوگ زندگی بھر جاب تلاش کرتے رہتے ہیں جبکہ ہمیں کام تلاش کرنا چاہیے'' نوجوان نے غور سے میری طرف دیکھا، میں نے عرض کیا '' دنیا کی ہر جاب کا کوئی نہ کوئی کرائی ٹیریا ہوتا ہے اور یہ جاب صرف اس شخص کو ملتی ہے جو اس کرائی ٹیریا پر پورا اترتا ہے جبکہ کام کا کوئی کرائی ٹیریا نہیں ہوتا۔ میں اگر آج چاہوں تو میں چند منٹوں میں دنیا کا کوئی بھی کام شروع کر سکتا ہوں اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس کام سے باز نہیں رکھ سکے گی۔ ہیملٹن اس راز کو پا گیا تھا لہٰذا اس نے جاب کی بجائے کام کو فوقیت دی یوں اس نے میڈیکل سائنس کی تاریخ بدل دی۔ ذرا سوچو اگر وہ سرجن کی جاب کیلئے اپلائی کرتا تو کیا وہ سرجن بن سکتا تھا؟ کبھی نہیں، لیکن اس نے کھرپہ نیچے رکھا، زرافے کی گردن تھامی اور سرجنوں کا سرجن بن گیا'' میں رکا اور ہنس کر بولا ''تم اس لیے بے روزگار اور ناکام ہو کہ تم جاب تلاش کر رہے ہو، کام نہیں، جس دن تم نے ہیملٹن کی طرح کام شروع کر دیا تم نوبل پرائز حاصل کر لو گے، تم بڑے اور کامیاب انسان بن جاؤ گے۔

ڈاکو کون

ایک بینک لوٹ کے دوران ڈاکوؤں کے سربراہ نے بینک میں موجود لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا:

یہ پیسہ ملک کا ہے اور جان آپ کی اپنی. سب لوگ فوری طور پر لیٹ جاؤ ڈر کر سب لوگ لیٹ گئے اسے کہتے ہیں۔

MIND CHANGING CONCEPT

ڈاکوؤں کا ایک ساتھی جو Degree ہولڈر تھا، وہ بولا:۔

پیسے گن لیں؟ سربراہ نے کہا: بیوقوف، وہ ٹی وی پر نیوز میں دیکھ لینا۔ اسے کہتے ہیں۔ **EXPERIENCE**

لٹیرے 20 لاکھ روپے لے کر فرار ہو گئے۔ بینک افسر نے کہا: F.I.R کروائیں؟ منیجر بولا: 10 لاکھ اور نکال لو اور جو ہم نے 50 لاکھ کا گھوٹالہ کیا ہے، وہ بھی اس مال میں شامل کر دو۔ اسے کہتے ہیں۔

OPPORTUNITY

ٹی وی پر نیوز آئی۔ بینک میں 80 لاکھ کی لوٹ۔ ڈاکوؤں نے کئی بار روپے گنے، پر 20 لاکھ ہی نکلے۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اتنے خطرے کے بعد ان 20 لاکھ ہی ملے، جبکہ منیجر نے بیٹھے بیٹھے 60 لاکھ یونہی بنا لئے۔ یہ کہتے ہیں۔

MANAGEMENT

یشب تمنا کی شخصیت اور شاعری

پروفیسر کمال اشرف کمال

لبوں سے آشنائی سے رہا ہی....وہ لذت انتہائی دے رہا ہے۔کوئی تو ہے جو اتنی سردیوں میں ....بدن جیسی رضائی دے رہا ہے۔عشق میں شکوہ شکایت اور اور محبوب کی سنگدلی کا گلہ نہیں ہوتا مگر جب یہ بے پروائی انتہا کو چھو جاتی ہے تو پھر درد بھی بے کنارہ ہو جاتا ہے۔یہ ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے کہ درد کو حرف شکایت کی صورت میں ڈھالا جاتا ہے۔یونہی تو کوئی حرف شکایت نہیں نکلا....اس درد نے آخر کو دوا ہونا تھا ایک دن تم آ تو اس کی بھی تحریر کریں....دل کا یہ ایک باب اُدھورا رکھا ہے۔انسان پیدائش سے زندگی کے آخری مرحلہ تک اپنی صورت تبدیل کرتا رہتا ہے اور اس بات کا احساس اسے آئینہ دلاتا ہے وہ جب بھی آئینہ دیکھتا ہے اپنے خوبصورت ماضی کو یاد کرتا ہے۔آہیں بھرتا ہے۔کون ہوں میں کہاں سے آیا ہوں....مجھ سے آئینہ پوچھتا ہے اب ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں....بظاہر تو کوئی پریشانی نہیں ہے اسی قسم کے جذبات پہلے بھی شاعری میں پیش کئے جاتے رہے ہیں کہ انسان اس دنیا میں کیوں آتا ہے؟ کس لئے آتا ہے؟ اور کدھر چلا جاتا ہے۔بقول خواجہ میر درد درد کچھ معلوم ہے یہ سب لوگ....کس طرف سے آئے تھے کدھر چلے گئے۔مگر یہ عقیدہ یشپ تمنا کی شاعری میں حل ہوتا نظر آتا ہے کہ وہ اپنے ہی گھر جاتا ہے۔کمالِ شوق سفر بھی ادھر ہی جاتا ہے....کسی سفر کا مسافر ہو گھر ہی جاتا ہے۔ان کی نظموں میں ایک خیال۔ایک سوال، خوف، و محبت کس کو کہتے ہیں۔اظہار تشکر ایک کس سم دوست سے محرم انجام خلاصہ اس کا انکار بے چہرہ اک عورت، ہمیں سنا بھی آتا ہو، سٹیٹس کو عفریت اچھی نظمیں ہیں جو کہ اپنے موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ان کی نظم شاید میں وہ انکار کرتے ہیں کہ لفظ احساس کی ترسیل نہیں کر سکتے۔

تمہارا شکریہ

کہہ تو رہا ہوں....مگر الفاظ وہ کچھ نہیں کہتے جو کہنا چاہتی ہوں

یشپ تمنا کی ''نظم'' بدلہ میں عورت کی بے بسی دکھائی گئی۔شاعر ایک عورت پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے منظر میں بیوی مرد سے لڑتی ہے اور جب مرد اُسے مارنے کے لئے ہاتھ بلند کرتا ہے تو اسے وہ مظلوم عورت یاد آتی ہے جس پر اس نے ظلم ہوتے دیکھا تھا۔نثری نظمیں بھی لکھی ہیں۔نثری نظموں میں تم کہاں ہو، عجلت ایسا کیوں نہیں ہے؟ فرق، پوٹلی، ابا راجہ، گدھ، اندیشہ، بادشاہ ننگا ہے۔انمول فیصلہ جیسی نظمیں شامل ہیں۔اس کتاب میں شامل ''راج گدھ'' اُن کی ایک خوبصورت نظم ہے۔جس میں یشب نے کیڑے مکوڑوں کی طاقت اور گدھوں کو مار گرانے کا حوصلہ بیان کر کے عزم و ہمت کی ایک نئی تاریخ مرتب کی ہے۔غزل ہو یا نظم یشب تمنا کی شاعری میں خیال، جذبہ اور اظہار بیان کا طریقہ ایک الگ انداز سے باہم ملتا اور برسرِ عمل نظر آتا ہے۔یشب تمنا اپنی بات کو قلبی واردات کو شعر کا قالب عطا کرنے کا فن جانتے ہیں۔

مسعود چودھری

وہ سوز و ساز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
مری آواز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
محبت جس سے زندہ ہو، مٹا دے نفرتوں کو جو
وہی انداز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
میں شاہیں ہوں عدو صیّاد سے میرا تخاطب ہے
مری پرواز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
مقابل آ گیا ہوں سامری زادوں کے پھر سے میں
مرا اعجاز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
مجھے بھی سر اُٹھا کر چلنا ہے بزمِ نگاراں میں
مرے وہ ناز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
عذابِ جاں نہ بن جائے یہ میری دشتِ تنہائی
مرا دمساز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
ستارے تو سجا بیٹھے ہیں محفل کہکشاؤں کی
مرا مہ ناز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے
مرے اندر تلاطم ہے بپا مسعود رازوں کا
مرا ہمراز واپس دو، مجھے بھی بات کرنی ہے

ذیابیطس شوگر، اسباب علامات

محترم کلیم احمد۔ والینسیا سپین

شوگر کا علاج ہومیوپیتھک مدر ٹنکچر کے ساتھ۔ ایسڈ فاس

ذیابیطس عصبی کی یہ اعلیٰ پیمانہ کی دواء ہے یعنی اگر زیادہ دماغی محنت اور کثرت جماع سے شوگر ہوجائے تو یہ دواء بہت اچھی ہے۔ پیاس زیادہ لگتی ہے، بھوک ماری جاتی ہے، پیشاب سفید مقدار میں زیادہ اور بار بار آتا ہے۔ منہ خشک رہتا ہے۔ ایسا مریض جس میں ذہنی کمزوریوں کی علامتیں ظاہر ہوکر رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہوں اور ساتھ شوگر بھی تو بعض اوقات اس دوا سے مکمل شفاء ہوجاتی ہے۔

Syzygium Jambolanum Q :: سائی زی جنیم مدر ٹنکچر 20 قطرے دن میں تین بار۔ شوگر کنٹرول کرنے کے لیے یہ ایک بہت اعلیٰ قسم کی دوائی ہے۔ یہ دوا جامن کے پھل سے تیار ہوتی ہے۔ پیشاب میں شکر روک دیتی ہے۔

جنسنگ مدر ٹنکچر Ginsing Q:: اعصابی کمزوری اور پیشاب کی کثرت میں لاثانی ہے۔ شوگر کی مقدار کو اعتدال پر لاتی ہے۔ پیشاب کی مقدار کم کرتی ہے۔ اعصابی نظام کو تقویت بخشتی ہے۔ شوگر کی وجہ سے نامردی کو ختم کرتی ہے اور قوت باہ کو بڑھاتی ہے، کمر درد کو روکتی ہے۔

Abroma Augusta Q:: دوسری قسم کی شوگر میں اس دوائی کے مریض کے جسم سے گوشت کم ہوجاتا ہے۔ یعنی جسم سوکھ جاتا ہے اور بہت زیادہ کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ پیاس بہت لگتی ہے اور منہ خشک رہتا ہے۔ رات کو پیشاب کے لیے بار بار اٹھنا پڑتا ہے۔ پیشاب کرنے کے بعد بہت کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ شوگر کی وجہ اگر نیند نہ آرہی ہو تو بھی بہت فائدہ دیتی ہے۔ شوگر کی وجہ سے پھوڑے اور کاربنکل کے لیے بہت مفید ہے۔ سارے جسم میں جلن محسوس ہوتی ہے۔

CEPHALANDRA INDICA Q:: منہ بہت زیادہ خشک ہوتا ہے۔ اور ٹھنڈا پانی بہت زیادہ مقدار میں پینے کو دل کرتا ہے۔

GYMNEMA SYLVESTRE Q:: یہ دوائی ایسے مریض کے لیے بہت فائدہ مند ہے جس کا وزن شوگر کی وجہ سے تیزی سے گر رہا ہو اور ساتھ تھکاوٹ اور کمزوری کا شدید احساس بھی ہو۔ اس دوائی کے استعمال سے مریض کا وزن گرنا بند ہوجاتا ہے اور کمزوری کو دور کرکے جسم میں طاقت پیدا کرتی ہے۔

PHASEOLUS 3X:: شوگر کے مریض کو اگر دل کی تکلیف ہو تو یہ دوائی ایسے مریض کے لیے بہترین ہے۔

شوگر کا دیسی نسخہ جات:: روزانہ صبح شام آدھا چمچ دارچینی کھانے سے بھی شوگر کنٹرول ہوجاتی ہے۔ دارچینی اِنسولین کا بہترین اور زیادہ مؤثر نعم البدل ہے۔ اس لئے دارچینی کا مناسب استعمال ذیابیطس پر قابو رکھتا ہے۔

ذیابیطس کی دو قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

قسم 1 جو عام ذیابیطس ہے اور اس کا علاج اِنسُولین سے کیا جاتا ہے۔ اور قسم دوم جس کا علاج ایلوپیتھی میں ابھی تک صحیح دریافت نہیں ہوا۔ دارچینی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ صرف ذیابیطس قسم اول بلکہ قسم دوم کا بھی مؤثر علاج ہے۔

۲۔ آدھا چمچ ادرک اور آدھا چمچ پودینہ ملا کر نہار منہ کھانے سے شوگر کنٹرول ہوجاتی ہے۔ آسٹریلین تحقیق کاروں کے مطابق ادرک میں حیرت انگیز طور پر شوگر کنٹرول کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کو ادرک کا استعمال زیادہ کرنا چاہے۔

۳۔ روزانہ خالص قسم کا عرق گلاب نہار منہ پینے سے بھی شوگر کنٹرول رہتی ہے۔

۴۔ گٹھلی جامن خشک 100 گرام کوٹ چھان کر سفوف (پاؤڈر) بنالیں اور 55 گرام سفوف پانی کیساتھ دن میں دوبار صبح نہار منہ اور شام 5 بجے۔

۵۔ نیم کی کونپلیں 5 گرام پانی 50 ملی لیٹر میں پیس چھان کر صبح نہار منہ یا ناشتے کے ایک گھنٹے بعد لیں۔

۶۔کریلہ کو کچل کر اسکا رس نچوڑ لیں یا جوسر میں اسکا جوس نکال لیں 25 ملی گرام یہ رس صبح وشام لیں۔

۷۔چنے کے آٹے (بیسن) کی روٹی اس مرض میں بہت مفید ہے۔

۸۔لوکاٹ کے پتے 7 عدد ایک کپ پانی میں جوش دے کر چائے بنائیں اس ہربل ٹی کے ساتھ گٹھلی جامن کا 5 گرام 9 دس سے 15 آم کے پتے لیں۔انہیں ایک گلاس پانی میں ابال لیں اور رات بھر کے لیے اسی پانی میں چھوڑ دیں۔صبح اٹھ کر پانی کو چھان لیں اور نہار منہ پی لیں۔بہترین نتائج کے لیے اسے 2 سے 3 ماہ تک استعمال کریں۔پتوں کو خشک کر کے پاوڈر کی شکل میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مزید دیسی نسخہ جات

نسخہ نمبر 1: اکسیر ذیابیطس۔چاسکو،گڑمار،تخم جامن تخم کریلہ خشک، زنجبیل اور پوست ہلیلہ زرد تمام دوائیں ہم وزن لیکر صاف کر کے باریک پیس لیں۔اسے 33 گرام صبح دوپہر شام ہمراہ آب تازہ استعمال کریں۔

نسخہ نمبر 2: اکسیر ذیابیطس۔چاسکو،گڑمار،تخم جامن،تخم کریلہ خشک، زنجبیل اور پوست ہلیلہ زرد تمام دوائیں ہم وزن لیکر صاف کر کے باریک پیس لیں۔اسے 33 گرام صبح دوپہر شام ہمراہ آب تازہ استعمال کریں۔

نسخہ نمبر 3: دوائے ذیابیطس: خاص۔ چاسکو 60 گرام، گوند کیکر افریقی 60 گرام، ہلدی 60 گرام مغز کرنجوہ 60 گرام مصبر اصلی 300 گرام سب دواوں کو پیس کر ڈبل زیرو کے نمبر کے کیپسول بھر لیں۔ایک سے دو کیپسول صبح دوپہر شام ہمراہ پانی لیں۔

نوٹ: جن لوگوں کو شوگر ہوا نہیں چاہیں کہ جہاں وہ یہ خیال رکھیں کہ ان کی شوگر زیادہ نہ وہاں انہیں یہ بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ انکی شوگر خون میں کم نہ ہو۔کیونکہ شوگر کی کمی بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔اس لیے جن لوگوں کو ذیابیطس ہوا نہیں چاہیے کہ وہ کوئی نہ کوئی میٹھی کھانے کی چیز ہر وقت اپنے پاس رکھیں تا کہ ضرورت پڑنے پر فوراً استعمال کی جاسکے۔ اسی طرح رات کو سونے سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ کھا لینا چاہیے خاص طور پر جب راتیں بہت لمبی ہوں۔اس سے نیند کے دوران آپ کا شوگر لیول کم نہ ہوگا بلکہ شوگر کی مقدار کنٹرول رہے گی۔

اہم: شوگر کے مریضوں کو جگر بھی شوگر کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے اور جگر پر چربی چڑھ جاتی ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے پیٹ کو بڑھنے نہ دیں۔سیر کریں ایک جگہ مسلسل بیٹھے نہ رہیں یا بیٹھ کر کام نہ کریں۔ اگر روزانہ صبح اُٹھ کر ایک چمچ خالص زیتون کا تیل اور چند قطرے لیموں کے ملالیں تو اس سے آپ کے جگر کی چربی سے بچ سکتے ہیں اور اگر چربی ہو بھی تو چربی زائل ہو جائے گی۔اسی طرح ہومیو پیتھک دوائی کارڈوس میریانس مدرٹنکچر میں کبھی کبھی استعمال کریں یعنی ایک ماہ دس پندرہ دن پھر کچھ وقفہ دے کر مسلسل کھاتے رہے۔اسی طرح کارڈوس میریانس کی گولیاں بھی کسی دیسی دوائیوں کی دکان سے مل جاتی ہیں۔کارڈوس میریانس کا ایک نام Milk Thistle بھی ہے۔

ذیابیطس اور ورزش:: ورزش ذیابیطس کے علاج کا ایک اہم حصہ ہے۔اگر آپ پہلے سے ورزش نہیں کررہے تو آپکو جلد ہی اس بارے میں سوچنا چاہیے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ اپنی بساط سے زیادہ ورزش کریں۔بہترین صورت یہ ہوگی کہ آپ کوئی ایسی ورزش اختیار کریں جو آپ کے لئے دلچسپ ہو اور آپکے روزانہ معمول کا حصہ بن جائے۔آپ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہونگے جو باقاعدہ ورزش تو نہیں کرتے لیکن اُنکی عام مصروفیاتکے دوران خود بخود ہی بہت سی ورزش ہو جاتی ہے۔آپ کچھ دِنوں تک آپنی مصروفیات کے دوران ہونے والی ورزش کا حساب رکھنے کی کوشش کریں تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ آپکو مزید ورزش کی ضرورت ہے یا نہیں۔

ذیابیطس کے مریض ورزش کیوں کریں؟:: ورزش کرنے سے ورزش کے دوران اور بعد میں خون کی شوگر کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ورزش انسولین کی بے اثری کو کم کرتی ہے جو کہ ذیابیطس قسم دوم کی بنیادی وجہ ہے۔ذیابیطس افراد میں دل کے امراض کا جو اضافی خطرہ ہوتا ہے اُسے کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔اسکے علاوہ ورزش کرنے کے جتنے بھی طبی فوائد کسی عام آدمی کو ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ ذیابیطس کے مریض کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔ورزش کرنے کے عمومی فائدے۔آپکا بلڈ پریشر بہتر ہوگا۔آپکا دِل بہتر طور پر کام کرے گا۔آپکے دورانِ خون میں بہتری پیدا ہوگی۔آپ کی توانائی میں اضافہ ہوگا۔آپکو آپنا وزن کنٹرول کرنے میں مدد ملے گی۔آپکے سانس لینے میں بہتری پیدا ہوگی۔آپکے پٹھوں کا تناؤ کم ہو

گا۔آپکے ذہنی تناؤ میں کمی ہو گی۔آپکی ہڈیاں اور پٹھے مضبوط ہونگے۔آپکے مزاج میں خوشگوار تبدیلی آئے گی۔آپ جسمانی طور پر اپنے آپ کو چاق و چوبند محسوس کریں گے۔

ذیابیطس افراد کیلئے ورزش کیسی ہو؟:: آپ کتنی اور کس قسم کی ورزش کر سکتے ہیں، اس کا انحصار آپ کی عمر، آپکی جسمانی حالت، اور آپکے مرض کی نوعیت پر ہے۔مثلاً ایک نوجوان لڑکا سارا دن کھیل کود کرتا ہے تو اُسکے لئے ٹھیک ہوسکتا ہے لیکن ایک بزرگ جسکے جوڑوں میں درد ہے، اور ساتھ دل کی تکلیف بھی ہے، اُسکیلئے دس منٹ کی ورزش بھی مشکل ہوسکتی ہے۔اس لئے ورزش کا کوئی نیا پروگرام شروع کرنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ آپ اپنے معالج سے مشورہ کر لیں۔ایک صحت مند اور درمیانہ عمر کے فرد کیلئے سب سے آسان اور نسبتاً محفوظ ایسی ورزشیں ہیں جن میں آپکے پٹھے بار بار سکڑتے اور پھیلتے ہیں۔مثلاً تیزی سے چلنا، دوڑنا، تیرنا، سائیکل چلانا اور اُچھلنا کودنا وغیرہ۔وزن اُٹھانے والی ورزشیں، جیسا کہ باڈی بلڈنگ وغیرہ میں پٹھے چونکہ کافی دیر تک مسلسل اکڑے رہتے ہیں، اسلیئے خون کی نالیاں دبنے سے دل پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسی ورزشیں کرنا ہی نہیں چاہئیں، لیکن بہتر ہوگا کہ ایسی ورزشیں اختیار کرنے سے پہلے آپ اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرلیں۔

ورزش کتنی ہو؟:: آپکو کم ازکم ہفتے میں 5 دن تقریباً 35 منٹ روزانہ تیز قدموں سے پیدل چلنا چاہئے۔اگر مسلسل آدھا گھنٹہ چلنا آپکے لئے مشکل ہو تو آپ اسے دو یا تین حصوں میں تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔تاہم مسلسل آدھا گھنٹہ چلنا زیادہ مفید ہوگا۔ورزش کا بہترین وقت کیا ہوگا۔ورزش کرنے سے چونکہ خون میں شوگر کم ہوتی ہے اس لئے ذیابیطس کے مریضوں کو خالی پیٹ ورزش کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔اسطرح اُنکے خون میں شوگر خطرناک حدتک کم ہوسکتی ہے۔اگر ورزش شروع کرتے وقت آپ کو کھانا کھائے ہوئے گھنٹہ یا کچھ زیادہ وقت ہوگیا ہے تو کچھ کھا لیں۔ درمیانے درجہ کے ورزش کے لیے دو نمکین بسکٹ یا دودھ کا ایک گلاس کافی ہے۔لیکن اگر آپ زیادہ مشقت کرنا چاہتے ہیں تو اُسی حساب سے زیادہ خوراک لیں اور 20 سے 30 منٹ انتظار کرلیں تاکہ خوراک آپکے خون میں شامل ہوجائے۔ ***

طاہرہ زرتشت نازناروے

نہ سمجھو! لگی پار اُلفت کی ناؤ
ابھی فاصلے درمیاں اور بھی ہیں
دلِ نارساء تُو سنبھل جا خدا را
ابھی صبر کے امتحاں اور بھی ہیں
یہ چاند اور سورج ستاروں کی جھلمل
پسِ پردہ اُن کے جہاں اور بھی ہیں
اُٹھاتی ہیں لہریں فقط جھاگ اُوپر
تہہ آب گوہر نہاں اور بھی ہیں
کرو ساراباں پھر سفر کا ارادہ
ابھی منزلوں کے نشاں اور بھی ہیں
فریبِ جہاں میں کہیں کھو نہ جانا
ابھی راحتیں خوش گماں اور بھی ہیں
نہیں تابِ تحریر، اب نازؔ باقی
فسانۂ غمِ جانِ جاں اور بھی ہیں

نفسیاتی اثر

امریکہ میں جب ایک قیدی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو وہاں کے کچھ سائنس دانوں نے سوچا کہ کیوں نا اس قیدی پر کچھ تجربہ کیا جائے. تب قیدی کو بتایا گیا کہ ہم تمہیں پھانسی دے کرنہیں ماریں گے۔زہریلا کوبرا سانپ ڈسا کر ماریں گے اور اس کے سامنے بڑا سا زہریلا کوبرا سانپ لے آنے کے بعد اس کی آنکھیں بند کرکے اس کو کرسی سے باندھ دیا گیا اور اس کو سانپ نہیں بلکہ دو سیفٹی پن چبھوئی گئیں...اور قیدی کی کچھ سیکنڈ میں ہی موت ہوگئی..پوسٹ مارٹم کے بعد پایا گیا کہ قیدی کے جسم میں سانپ کے زہر جیسا ہی زہر ہے......اب یہ زہر کہاں سے آیا جس نے اس قیدی کی جان لے لی...وہ زہر اس کے جسم نے ہی صدمے میں جاری کیا تھا...ہمارے ہر عمل سے مثبت یا منفی توانائی بنتی ہے اور وہ ہمارے جسم میں اسی کے مطابق ہارمونز تیار کرتی ہے...

محترم مولانا چوہدری ہادی علی صاحب حال کینیڈا کے ساتھ ایک شام

رپورٹ سید حسن خان

مؤرخہ 6 مارچ بروز سوموار بعد نماز مغرب فضل مسجد کے قریب مکرم نعیم رضا صاحب کے گھر میں محترم مبارک احمد صدیقی صاحب صدر صاحب ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کی صدارت میں چوہدری ہادی علی صاحب کے ساتھ ان کے عزیز بھائی شہید ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کی یاد میں ایک شام منعقد کی گئی۔ جبکہ چوہدری ہادی علی صاحب کینیڈا سے چند دن کے لئے لندن تشریف لائے تھے اس لئے صدر صاحب مبارک احمد صدیقی صاحب نے ٹی آئی کالج کے اولڈ سٹوڈنٹس کے ساتھ ہادی علی چوہدری صاحب سے ان کے شہید بھائی مہدی علی صاحب مرحوم کے بارے نیک خیالات کا اظہار کیا جانے کا پروگرام بنایا گیا۔ پروگرام چھ بجے شام شروع ہوا۔ تلاوت پروفیسر عبدالقدیر کوکب نے کی۔ نظم وسیم باری صاحب نے پڑھی۔ سب سے پہلے چوہدری ہادی علی صاحب نے اپنے پیارے شہید بھائی ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب کے متعلق ایمان افروز واقعات بیان کئے جس میں آپ نے ڈاکٹر مہدی علی قمر مرحوم کے متعلق چند گھریلو، ذاتی واقعات اور چند ان کے ایمان افروز اوصاف بیان کئے نیز ان کی تحریرات اور ان کے کلام میں سے چند دلچسپ اشعار بیان کئے۔ جن کو سننے سے یہی معلوم ہوتا تھا ڈاکٹر شہید مرحوم بہت نیک صفت، ہمدرد اور اپنے مریضوں اور غریبوں کی کتنی مدد اور راہنمائی کرنے والے محسن انسان تھے۔ مہدی علی شہید کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے یہ نیک صفت انسان خدا تعالیٰ سے شہادت کے خواہشمند تھے۔ اس کے بعد پروفیسر عبدالقدیر کوکب نے اپنی تیار کی ہوئی نظم ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب کے متعلق پڑھی۔ جسے احباب نے بہت سراہا۔

مکرم ہادی علی چوہدری صاحب نے اپنے بھائی کے کلام کیے چند اشعار بھی پیش کئے۔ اس کے بعد محفل میں شریک احباب نے چوہدری ہادی علی صاحب سے چند سوالات بھی شہید مرحوم کے بارہ کئے۔ جن کے جوابات ہادی علی صاحب نے دیئے اور یہ سلسلہ بھی کافی دیر تک جاری رہا۔ خوشی کی بات کہ ہمارا یہ مبارک پروگرام یوٹیوب کے ذریعہ ساری دنیا میں لائیونشر کیا جاتا رہا اس پر بعض غیر مما لک سے بھی احمدی احباب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ اس پروگرام میں لگاتار باقاعدہ تمام شرکاء کی تصاویر بھی کھینچی گئیں جس کی ذمہ واری محترم رانا عبدالرزاق خاں نے بڑی خوبی سے نبھاہی۔ پروگرام کے اختتام پر محترم چوہدری ہادی علی صاحب کے ساتھ تمام شرکاء کی فوٹوز کھینچنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس پروگرام کے آخر پر محترم احباب کی پیزہ، کوک ڈرنک اور چائے سے تواضع کی گئی۔ اس محفل کے آخر پر ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کی کتب فروخت کی گئیں جو کہ تمام احباب نے خوشی خوشی فی کتاب £5 کے حساب سے 70 کے قریب خرید کر خراج تحسین پیش کیا۔ اس محفل میں 30 احباب نے شرکت کی۔ یہ محفل نماز عشاء کے قریب اختتام پذیر ہوئی۔

ایران کا دوسرا چہرہ

محمد احمد

ملک ایران دنیا کا دوسرا یہودی ملک ہے جس کو اسلامی ملک یا اسلامی انقلاب کہنا اسلام کی توہین کرنا ہے حقیقت ملاحظہ فرمائیں ایک رپورٹ کے مطابق چین جیسے اشتراکیت نواز ملک کی راجدہانی پیکینگ میں 68 مساجد ہیں۔ امریکہ میں مساجد کی کل تعداد 2106 بتائی جاتی ہے، جن میں 257 مسجدیں صرف نیویارک شہر میں۔ فرانس میں کل 2260 مسجدیں، جن میں 26 صرف شہر پیرس میں۔ ''مسجدوں کے دارالسلطنت'' کے لقب سے مشہور برطانیہ کے شہر لندن میں 400 مساجد ہیں۔ روس کی راجدھانی ماسکو میں 4 مساجد، جن میں ایک تو اتنی شاندار، عالیشان، وسیع اور بھاری بھرکم ہے کہ بیک وقت 10000 نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ کے مشہور شہر کیپ ٹاؤن میں 10 مسجدیں ہیں، جہاں مسلمانوں کا تناسب 3٪ سے بھی کم ہے۔ ان سب کے بالمقابل رافضی، صفوی اور مجوسی نام نہاد جمہوری ملک ''ایران'' کے طہران، اصفہان، اور کرمان نیز دیگر ان سارے بڑے شہروں میں۔ جہاں جہاں بھی شیعی اکثریت ہے۔ ایک بھی مسجد نہیں ہے۔ ذمہ دار ایرانی اتھارٹیاں اور متعلقہ ادارے گزشتہ کئی دہائیوں سے کسی بھی جگہ مسجد کی تعمیر کی اجازت بالکل نہیں دیتے، اور جمعہ وعیدین تک پر سخت پابندی ہے، حتیٰ کہ پاکستانی سفارتخانہ کی زیرنگرانی چلنے والے سکول تک میں نماز جمعہ کے نام پر اکٹھا ہونے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس کے خلاف دوسری طرف انہیں ایرانی شہروں میں یہود ونصاریٰ کو مکمل آزادی ہے، ان کی کسی بھی مذہبی عبادت پر کوئی پابندی نہیں، انہیں اپنے ہر طرح کے دینی تہوار منانے کی پوری چھوٹ حاصل ہے، اور جس کیلئے پورے ایران میں 151 کی بڑی تعداد میں ان کی اپنی عبادت گاہیں چرچ اور کلیسا کی شکل میں موجود ہیں، جن میں بیشتر اسی راجدہانی شہر طہران میں ہیں، کہ جہاں مسلمانوں کی ایک بھی مسجد نہیں۔ ان تلخ حقائق کی روشنی میں آخر وہ کون سا اسلام ہے، کہ جس کی دہائی یہ ''سیاہ عمامہ پوش پارسی مجرمین'' کہ جن کے دل ان کی پگڑیوں سے بھی زیادہ سیاہ ہیں دیتے، اور جس کا نعرہ الاپتے رہتے ہیں؟ نیز ہمیشہ اپنے انہیں کھوکھلے نعروں کی بنیاد پر عالمی برادری کو یہ باور کرانے کی سعی لاحاصل کرتے، اور ناکام کوشش اور جدوجہد میں سرگرداں رہتے ہیں کہ اسلام کے سچے نمائندہ اور علمبردار ہم ہی ہیں، لہٰذا پورے عرب کی سنی برادری پر سرداری وبرتری، نیز خطہ کی قیادت وسیادت کا حق ہمیں ہی ملنا چاہیئے، صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر جو ایک المیہ ہی ہے۔ حرمین شریفین جیسے مقدس مقامات کی دیکھ دیکھ، انتظام وانصرام اور تحفظ ونگہداشت کی باگ ڈور سنبھالنے کا حسین خواب بھی دیکھ رہے ہیں۔ اللہ ان کے رُو سیاہ کرے، ان کا بھلا نہ کرے، نیز ان پر اپنی وہ مار نازل فرمائے، جس کے یہ اپنے کالے کرتوت اور مجرمانہ افعال واعمال کی پاداش میں کما حقہ مستحق اور سزاوار ہیں۔ آمین۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی اس خبیث، بدطینت اور مجرم مجوسی حکومت کی اس سیاہ اور ناپاک حقیقت سے اتنے غافل ہیں کہ ''شیعہ سنی، بھائی بھائی'' کا دلفریب نعرہ تک لگانے میں کوئی دریغ یا حرج اور قباحت محسوس نہیں کرتے، جس کے پیش نظر دنیا کو ان مجوسی رافضیوں کی اصل حقیقت سے آگاہی اور روشناسی واجب سمجھتے ہوئے یہ چند سطور لکھنا ضروری قرار پایا۔ اللہ رب العزت ان مجرموں کے شر فساد و مکروہ فریب سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

شہید مشعال خان کا بہیمانہ قتل

اے آر خان۔ لندن

دستِ ستم نے جیسے کیا تجھ کو پائمال
آنکھیں بھی اشک بار تو دل غم سے نڈھال
روکا گیا نہ ہم سے جو قاتل کے ہاتھ کو
شرمندہ تیری ماں سے ہے یہ قوم اے مشعال

مشعال خان کا قتل حکومت کے اور پاکستان کے لبرل اور سیکولر طبقے کے منہ پر زوردار تھپڑ سے کم نہیں۔ انتہا پسندوں کی کامیابی ہے۔ اسلام اور پاکستان کے متعلق سازش ہے۔ دینی اداروں کی ناکامی ہے جو مشعال خان کو قتل کروا کر اب اس عمل کے خلاف بیان دیتے چلے جا رہے ہیں۔ ولی خان جیسے عدم تشدد انسان کے نام پر یونیورسٹی میں یہ بہیمانہ قتل اس کی پارٹی کے منشور کو منہ چڑا رہا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیم کا یہ جنازہ ہے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کی روشن خیالی کی یہ میت ہے۔ اصل میں یہ علمائے سُو کی نیتوں کا پھل ہے۔ ضیاءالحق اور جنرل حمید گل کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ جماعت اسلامی، جمیعت طلباء، جماعت احرار، ختم نبوت، جمیعت علمائے اسلام، دیوبندی، بریلوی، انتہا پسندوں کا یہ خواب ہے۔ یہ وہ عناصر کی کاوشوں یا سازشوں کا کیا دھرا ہے جو پاکستان کے وجود کے منکر اور میثاق مدینہ سے نابلد اسلامی نظام کے حامی ہیں۔ جو روشن خیالی کو کفر اور تشدد کو اسلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ جو اسلام کی تعلیم سے نابلد، قرآن کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ جو اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنانے سے گریزاں ہیں۔ یہ شکست خوردہ عناصر کا ٹولہ ہے۔ پہلے کانگرس کے ایجنٹ تھے اب RAW کے ایجنٹ ہیں۔ اس طبقے کے ساتھ ن لیگ کے گہرے مراسم ہیں۔ یہ انتہا پسند طبقہ ضیاءالحق کے زمانے سے اقتدار میں آیا اور فسادِ افغانستان کے وقت بیرونی طاقتوں سے روابط قائم ہوئے۔ اب یہ جماعتیں اس قدر اثر انداز ہو چکی ہیں کہ ہر ڈیپارٹمنٹ میں ان کے با اثر نمائندے ملازم ہیں۔ حتیٰ کہ کافی بیوروکریٹ بھی ان میں سے ہیں۔ میڈیا کے اینکر ان میں سے ہیں۔ اگر کہیں ان انتہا پسند جماعتوں کو رسائی نہیں ملتی تو مذہب کے نام پر یہ لوگوں کو خرید کر اپنی خواہشات کے مطابق فیصلوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ میں حیران ہوں قتل کروانے والے مذمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس قتل کی وجوہات کچھ اور ہیں۔

یونیورسٹی انتظامیہ کے خلاف ایک مقدمہ چلا رکھا تھا۔ پی، ایس، ایف نے۔ جس میں مشعال خان پیش پیش تھے۔ جس میں یہ انتظامیہ کی کرپشن کا بھانڈا پھوڑنا چاہتے تھے اور انتظامیہ مشعال خان کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتی تھی۔ باقی وفاق بھی اس میں ملوث ہے۔ ہمارا مذہبی امور پیر حسنات شاہ جو ن لیگ کا وزیر ہے۔ ممتاز قادری کا جنازہ پڑھتا ہے اور اس کو سلام کرتا ہے۔ اسے ایک خط میں شہید لکھتا ہے۔ کیپٹن صفدر مسلم لیگ کی یوتھ ونگ کا ھیڈ ہے۔ ممتاز قادری کا پروموٹرز ہے۔ ہمارے عالم توہین رسالت کے حق میں بولتے ہیں اور جب کوئی قتل کر دیا جاتا ہے۔ تو مذمت کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ منافقین ہیں کہ متقی۔ انہوں نے طالبان اور انتہا پسند پہلے افغانستان میں بنائے۔ پھر پاکستان میں بنائے۔ اب یونیورسٹیز میں بنانے شروع کر دیئے۔ یہ کون سی جمہوریت ہے، کونسی رٹ ہے۔ سی ایم کا نمائندہ کریکلم سپاہ صحابہ سے پوچھ کر پرائمری کلاسوں کا نصاب بناتا ہے۔ باقائدہ کالعدم جماعتوں کے تحفظات نوٹ کئے جاتے ہیں۔ یہ ن لیگ کی باطنی پالیسی ہے۔ نواز شریف نے سادہ سا بیان دے کر جان چھڑا لی۔ سب اقلیتوں کو خائف کر کے ملک سے بھگا دیا گیا ہے۔ لبرل اور سیکولر تو انتہا پسند نہیں ہوتے۔ بلکہ بہتر کردار والے مسلمان ہوتے ہیں جو حقوق العباد کے داعی ہوتے ہیں۔ ہم نے اس وقت ایک آگ جلا رکھی ہے۔ اس پر ہم نے

پریشر ککر رکھ کر اس کے سرے پر فوج کی بھاری سیٹی لگا رکھی ہے۔مگر عوام کو ککر کے نیچے آگ بڑھانے کی خوب اجازت دے رکھی ہے ۔ابلیس نے خوب اپنی بات منوائی ہے۔خوفِ خدا نام کو نہیں۔عدلیہ، انتظامیہ، سیاسی لیڈرز، علمائے سُو، بیوروکریٹ، سب کرپٹ ہو چکے ہیں ۔بلکہ یزیدی حکم کے تابع ہیں ۔یہاں ہر روز حسین شہید ہوتے ہیں ۔یزیدی اقتدار قائم ہے۔یہ لال مسجد اور ملاں برقع پوش کی خواہشات کی تکمیل ہے۔

یہ فرنگی، ہندو، نصاریٰ کے اسلام کے خلاف سکیم ہے۔میر جعفر، میر صادق بن کر برائے نام کے مسلمان ان کے ایجنٹ بن چکے ہیں۔توہین رسالت کی بجائے توہین انانیت کا قانون ہے۔نہ اقلیتیں محفوظ ہیں نہ کوئی مشعل خان۔اس سے قبل بہت سے بے گناہ افراد اس قانون کی بھینٹ چڑھے ۔اس قانون کو مس یوز کرکے اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے۔جبکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں کسی ایسے قانون کا دور دور پتہ نہیں چلتا ۔جس طرح ان فرقہ ہائے اسلام نے قرآن کی تاویلیں کر کرکے اپنے مفادات کو مدنظر رکھ کر سینکڑوں قوانین بنا لئے ہیں ۔یہ بھی ایک ضیاء الحق کے زمانے کا قانون ہے۔حکومت پاکستان جب توہین رسالت کے مرتکب ممالک سے تعلقات بحال رکھتی ہے تو پاکستان میں نام نہاد غیرت دکھا کر بے گناہ شہریوں کا قتل عام کیوں کیا جارہا ہے۔اس پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے تاکہ ساری قوم مطمئن ہو جائے۔ساری دنیا میں ایسا کوئی امتیازی قانون نہیں۔اس ملک خداداد میں اسلام پر کوئی عمل نہیں ہو رہا۔ہر لحاظ سے قوم ہنود و یہود و نصاریٰ سے قدم ملا کر چل رہی ہے تو ایسے امتیازی قوانین کا کیا فائدہ۔جبکہ ہمارے ملک کا صدر ڈاکو ،زانی، شرابی، چھور، بے غیرت، تو بن سکتا ہے مگر قادیانی یا کوئی غیر مسلم نہیں بن سکتا۔جبکہ قائد اعظم کی کابینہ میں سب مذاہب کے لوگ شامل تھے ۔یہ کس کا پاکستان ہے ۔قائد اعظم کا پاکستان نہیں تو یہ مخالف پاکستان علمائے سُو کے ہاتھوں اغوا ہو چکا ہے۔آیئے مل کر روشن خیالی سے میثاق مدینہ کو رائج کرنے کی کوشش کریں۔ورنہ اس نام نہاد اسلامی ملک میں کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا۔کئی مشعال خان، اور معصوم مسلم غیر مسلم اس بے لگام و انصرام ملک کی بھینٹ چڑھتے رہیں گے۔مجھے کوئی بھی مسلمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کا یا خلفائے راشدہ کی زندگیوں کا واقعہ ایک واقعہ ہی دکھا دو کہ کسی نے اُن کی توہین کی ہو اور اسے مشعال خان کی طرح بے دردی سے قتل کردیا گیا ہو۔اس کو ایسے مارا جائے کہ موت بھی جلدی نہ آئے۔اس کو مارتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث بھی یاد نہ آئے۔وہ بھی میت کو غسل دیتے وقت ''میت کو نیم گرم پانی سے نہلاؤ جیسے پانی خود استعمال کرتے ہو'' تا اسے تکلیف نہ ہو۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میت کے متعلق بھی ایسا فرمایا مگر آج کے زمانے کے محبِ رسول نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب فرمانوں کو پسِ پشت ڈال کر ایک شخص کو جو صرف ۲۳ سال کا تھا۔

سفاکیت اور بربریت سے خون کردیا گیا۔اس کو مارتے وقت سب ''نعرہ تکبیر'' ''اللہ اکبر'' کی صدا بلند کرکے اپنے زعم میں خدا کو خوش کر رہے تھے۔مگر خدا نے جو انسان کے لئے ایک ''ضابطہ حیات'' نازل فرمایا۔''یعنی قرآن کریم'' اس میں سب کھول کر بیان فرمایا کہ'' دین میں کوئی جبر نہیں۔'' ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی کہلوایا''تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین'' لکم دینکم ولی الدین۔ان مارنے والوں کو قرآن پاک کی یہ آیت بھی نہ نظر آئی کہ ''جسنے کسی بے گناہ انسان کا خون کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا خون کیا'' ان مارنے والوں کو قرآن پاک کی آیت ''رسول اللہ کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے'' بھی نظر نہ آئی۔مارنے والوں کے ذہن میں بس یہ بھرا تھا کہ ''مشعال کو مار کر اسلام کو بچایا جائے اور خدا کو خوش کیا جائے۔مگر افسوس صد افسوس کہ ہلاکو خان اور چنگیز کی روح ان مارنے والوں میں آچکی تھی۔اسلام کی ایسی تعلیم ہرگز ہرگز نہیں ہے۔اسلام تو امن کا گہوارہ ہے اسلام تو کفار کے ساتھ بھی ہمدردی کا درس دیتا ہے۔اسلام تو انسانیت سکھاتا ہے اسلام تو بھوکے کو کھلانے کا نام ہے۔اسلام تو پیاسے کو پانی پلانے کا نام ہے۔مگر ان قاتل طلباء کو نئے برانڈ کا اسلام سکھایا گیا ہے۔جیسے کہ بریلوی، دیوبندی، احراری، مودودی، بخاری، مدنی، نقشبندی، قادری، رائے ونڈی، سپاہ صحابی، جھنگوی، جعفری، کربلائی، سمیع الحقی، مفتی محمودی وغیرہ وغیرہ۔انتہا پسندی کی یہ ظالم تنظیمیں ہی جو پاکستان اور اسلام کی حقیقت میں دشمن ہیں۔

——*

ناک اور عزت

زکریا ورک
ٹورنٹو کینیڈا

ہمارے چہرے پر متعدد عضو موجود ہیں مگر ناک کا عزت سے جو تعلق ہے وہ ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ناک ہمارے حسن وزینت کا اہم جزو ہے۔اگرچہ آنکھ، کان، ہونٹ، زبان، پلکوں کی اہمیت اورافادیت ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔آنکھیں نہ صرف دیکھنے کے کام آتیں بلکہ ہمارے تمام علم حاصل کرنے کا منبع ہیں۔اداسی اورتنہائی کا احساس آنکھوں سے ہوتا ہے۔کان سماعت کیلئے ہیں، زبان کلام کرنے میں ماہر ہے، ہونٹ آواز کے زیروبم اورترنم پیدا کرنے کا آلہ ہیں اوربوس وکنار کا ذریعہ۔سانس کی آمدورفت بھی اسی ہائے وے سے ہوتی ہے۔اور بدبو محسوس کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔خوشبو کیلئے ناک استعمال ہوتا ہے۔

چہرے پر اگران تمام اعضاء میں تناسب نہ ہوتو ہماری شخصیت عیب دار ہوجاتی ہے۔اگرکوئی ماہ جبیں اپنے علاقے کی چاہے لیلیٰ اورشیریں کیوں نہ ہوذراسی بھینگی ہوتو بے چاری کا سارا حسن خاک میں مل جاتا ہے۔اگرکوئی مرد یوسف کے حسن سے مالا مال ہومگر ناک سے بولتا ہوتو اس کے حسن کو گرہن لگ جاتا ہے۔

عالمی زبانوں کی مختلف ڈکشنریوں میں ناک کے محاورے اورامثال سب سے زیادہ ملتی ہیں۔اردو ڈکشنری میں ناک کے محاورات کی بھرمار ہے جیسے: ناک اڑا دینا، ناک بھوں چڑھانا، ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا، ناک پھلانا، ناک چنے چبوانا، ناک سے لکیریں کاٹنا، ناکوں ناک بھر دینا، ناک میں دم کرنا، ناک کاٹ دینا۔

اردو کی طرح انگلش زبان میں بھی ناک کے محاورں کی فراوانی ہے۔

by a nose (narrow margin), get up a person's nose (to annoy someone), keep one's nose clean (stay out of trouble), turn up one's nose (disdain), under a person's nose (right before a person), follow your nose (go straight), with one's nose in the air (haughty).

ناک کاٹنے کی تاریخ

ناک کاٹنے کی سزا پرانے زمانے سے چلی آرہی ہے۔چین میں پرانے زمانے میں مجرموں کے کان کاٹ دئے جاتے تھے۔اسی طرح پاؤں کاٹنے کی سزا بھی دی جاتی تھی۔خصی کرنے کا بھی رواج تھا۔ برطانیہ میں انگلیکن چرچ Anglican Church کے عقائد کے خلاف مضامین لکھنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔جملہ سزاؤں میں ایک سزا کان کاٹنا بھی تھی۔افریقہ کے ملک حبشہ میں پرانے زمانے میں بادشاہ کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد دیگر مدعیوں کے ناک کان کاٹ دئے جاتے تھے۔عہد قدیم کے ہندوستان میں زنا کی سزا ناک کاٹنا Rhinotomy عام تھی۔اسلئے ہندوستان میں ناک کی plastic reconstruction کی تاریخ بہت پرانی ہے۔قدیم روم، اوریونان میں ناک کاٹنے کی سزا دی جاتی تھی۔روم کے بادشاہ Justinian II کا ناک اس کے جنرل نے تختہ الٹ کر کاٹ دیا تھا۔اس نے بادشاہت دوبارہ حاصل کر لی جس کے بعد اس نے سونے کا نقلی ناک لگوا لیا اسلئے تاریخ میں اس کو ناک کٹا Rhinotmetos کا نام دیا گیا۔ہولی رومن ایمپرر فریڈرک دوم (وفات 1250) کے دور میں زانیوں اور دلالوں کی سزا ناک کاٹنا تھی۔

عہد قدیم کے ہندوستان میں زنا کی سزا کا ذکران کی طبی کتابوں Charaka and the Sushruta Samhita. میں ملتا ہے۔آیورودک فزیشن سوشروٹا (BC800) نے ہندوستان میں رائینو پلاسٹی کی سرجری شروع کی تھی۔اس کی کتاب سوشروٹا سمہیٹا کا عربی میں ترجمہ ابن ابی اصیبعہ (وفات 1270) دمشق میں گیارھویں صدی میں کیا تھا۔ترکش طبیب صراف الدین نے اس کا ترجمہ جراحت الخانیہ کے نام سے کیا اور پندرھویں صدی میں یورپ میں متعارف ہوئی تھی۔کتاب میں دی گئی جملہ پروسیجرز میں سے ایک بریسٹ ری ڈکشن ٹیکنیک تھی۔سوشروٹا نے جو free-flap graft technique بیان کی تھی یہ یورپ میں 18 صدی میں پہنچی یعنی 2300 سال بعد۔

اس روایت کا رواج بازنطین اورعربوں میں زیادہ تھا جہاں بے وفا عورت کا ناک کاٹ دیا جاتا مگر مرد کو کوڑے مارے جاتے تھے۔یورپ

کے بعض ممالک میں سازشوں میں ملوث ناکام افراد کی ناک کاٹ دی جاتی تھی۔دشمن کے ہاتھوں رسوائی سے بچنے کیلئے بعض خواتین اپنی ناک خود کاٹ کر چہرے کو مسخ کر لیتی تھیں۔ صلیبی جنگوں کے دور میں 1291 میں راہب خانوں Saint Clare abbey in Acri کی سینکڑوں Nuns نے ناکیں خود کاٹ لیں تا حملہ آور مسلمان فاتحین انہیں کنیزیں نہ بنالیں مگر یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور ان سب کو موت کی گھاٹ اتار دیا گیا۔

جنگوں میں مفتوح اور مغلوب دشمن سے ذلت آمیز سلوک کی روایت ہزاروں سال سے چلی آ رہی ہے۔جنگی قیدی عورتوں کا قتل عام کیا جاتا یا انہیں لونڈی بنا کر فروخت کر دیا جاتا۔اس کے بعد عورت کی بدتر زندگی کا آغاز ہوتا۔ پرانے زمانے میں زندہ قیدیوں کو ناک،کان کاٹنے کی سزا دی جاتی تھی۔عربوں میں ایک اور بھی رواج تھا یعنی مثلہ۔میدان جنگ میں قتل ہونیوالے دشمنوں کے ناک کان اور ہونٹ کاٹ دئے جاتے۔ جنگ احد میں کفار مکہ نے مسلمان شہداء کا مثلہ کیا تھا۔حضرت حمزہؓ کے ساتھ شہادت کے بعد یہی سلوک ہؤا تھا۔مگر حضرت نبی کریم ﷺ نے احد کے مقتول افراد کا مثلہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اسلام نے مقتول دشمنوں کے ناک کاٹنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ترکوں اور بلغاریہ کی 1876 کی جنگ میں تمام ترک فوجی قیدیوں کی ناکیں کاٹ دی گئیں تھیں۔ امریکہ کی ابتدائی 13 ریاستیں برطانیہ کے زیر حکومت ہؤا کرتی تھیں۔کسی کے فارم سے گائے یا سؤر کی چوری کی سزا کان کاٹنا تھی یا چور کو تعزیری شکنجے pillory کے ساتھ باندھ کر اس کے کان میں کیل ٹھونک دی جاتی تھی۔

ناک مزار Nose Tomb

سولہویں صدی میں جاپان نے کوریا پر کئی حملے کئے جنگ کے بعد کوریا کے مقتول سپاہیوں کے ناک اور دیگر اعضاء بطور ٹرافی کے جاپانی سپاہی ساتھ لائے تھے جن کا مزار بنایا گیا۔اس طرح ایک مزار جاپان کے شہر اوکے یاما(اوساکا کے نزدیک) 1983 میں دریافت ہؤا تھا جس میں کوریا کے بیس ہزار سپاہیوں کے ناک ملے جن کو 1992 میں کوریا بھیج دیا گیا تھا۔اسی طرح ایک مزار Kyoto شہر میں ابھی تک موجود ہے جس کا نام Mimizuka ہے جس کے معنی ہیں ناکوں کا پہاڑ۔

عورتوں پر مظالم

ناک کاٹنے کی ظالمانہ، پرتشدد، وحشیانہ سزا کا نشانہ زیادہ عورتیں رہی ہیں۔عورت کوئی کام اپنے مرضی سے کر دے تو فوراً کہا جاتا کہ اس نے خاندان کی ناک کٹوا دالی۔ 9/ اگست 2010ء کے ٹائم میگزین TIME کے سرورق پر ایک افغان عورت عائشہ بی بی کی تصویر تھی جس کا ناک اس کے ظالم شوہر نے کاٹ دیا تھا کیونکہ وہ آئے روز کے جھگڑوں، اور گھریلو تشدد سے تنگ آ کر گھر سے چلی گئی تھی۔

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے ارشادات

پاکستان کا قیام اور اس کی پیدائش درندے کے برابر ہے۔
(ترجمان القران جلد نمبر 31 صفحہ نمبر 59)

محمد علی جناح کا مقام مسند پیشوائی نہیں بلکہ بحیثیت غدار عدالت کا کٹھرا ہے۔
(ترجمان القران جلد نمبر 31 صفحہ 63)

تقسیم ہند کے تین اداکار تھے اور محمد علی جناح کی اداکاری سب سے ناکام رہی۔
(ترجمان القرآن جلد نمبر 31 صفحہ 77)

مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام ہے۔ (ترجمان القرآن جلد 28 صفحہ 195)

محمد علی جناح جنت الحمقاء (احمقوں کی جنت) کا بانی اور رجل فاجر (گناہگار انسان) ہے۔ (ترجمان القرآن فروری 1946ء)

پاکستان جنت الحمقاء اور مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہے۔
(ترجمان القرآن 1946ء صفحہ 154)

پاکستان لاکھوں کروڑوں ڈاکوؤں لٹیروں قاتلوں زانیوں اور سخت کینہ صفت ظالموں سے بھرا ہوا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد نمبر 31 صفحہ 59)

انتخابی مہم شکاری کتوں کی دوڑ ہے۔ (کوثر 28 جنوری 1950ء)

مسلم لیگ خدا سے بےخوف اور اخلاق کی بندشوں سے آزاد جماعت ہے جس نے ہمارے اجتماعی ماحول کو بیت الخلاء سے بھی زیادہ گندا کر دیا۔
(جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد صفحہ 16 شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت)

مہاجر بھگوڑے اور بزدل ہیں جنہوں نے قومیت کی جنگ لڑی اور جب سزا بھگتنے کی باری آئی تو راہ فرار اختیار کی۔
(بیان مولانا مودودی نوائے وقت 29 اگست 1948ء)

رشید قیصرانی کا مقام۔ شعراء کی نظر میں

عاصی صحرائی

رشید قیصرانی اردو کے بہت بلند شاعر تھے۔ بلوچ قبیلے کے مشہور سردار گھرانے سے تعلق تھا۔ مشہور نقاد ڈاکٹر عابد حسین اپنی تحریر اردو ادب کی تاریخ میں رشید قیصرانی کو پاکستان کی غزل کی آواز قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اختر اور ینوی اور ڈاکٹر انور سدید نے تاریخ اردو ادب میں رشید قیصرانی کا نام خاص طور پر رقم کیا ہے۔ جن نامور ادیبوں اور شاعروں نے رشید قیصرانی کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے انہیں خالد اقبال یاسر و جلیل حیدر لاشاری نے یکجا کر کے ''رشید قیصرانی فن اور شخصیت'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کروا دیا ہے۔ رشید قیصرانی کے 5 شعری مجموعے فصیلِ لب، صدیوں کا سفر، جزیرے، سجدے اور کنارے زمین تک شائع شدہ ہیں۔ پروفیسر عرش صدیقی لکھتے ہیں کہ رشید صدیقی کے دوہوں میں سرشاری اور بے خودی کی کیفیت ہے وہ محبوب کے سامنے اپنی ذات کو ختم کر دینے، والہانہ پن سے اسے چاہنے اور اس کی عنایت کے لئے دست سوال دراز رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس خوشبو سے یہ شاعری معطر ہے وہ آج کل کمیاب ہے۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے ایم اے اردو کانفرنس سے کہا کہ ٹی آئی کالج کی اردو کانفرنس میں رشید قیصرانی کا ایک بہت ہی باکمال شعر سن کر آ رہا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے۔

نکلا ہوں لفظ لفظ سے میں ڈوب ڈوب کر
یہ خط ہے تیرا یا کوئی دریا چڑھا ہوا

رشید قیصرانی کے بارے میں یہ قول بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ملتان میں بیٹھ کر لاہور دلی اور لکھنو کا متاثر کر ڈالا۔

صدیوں سے میں اس آنکھ کی پتلی میں چھپا تھا
پلکوں پہ اگر مجھ کو سجا لیتے تو کیا تھا۔
تو پھیل گیا تا بہ ابد مجھ سے بچھڑ کر
میں جسم کے زنداں میں تجھے ڈھونڈ رہا تھا
ہاں مجھ کو ترے سرخ کجاوے کی قسم ہے
اس راہ میں پہلے کوئی گھنگرو نہ بجا تھا
گزرے تھے مرے سامنے تم دوشِ ہوا پر
میں دور کہیں ریت کے ٹیلے پہ کھڑا تھا
سینے میں اُبھرتے ہوئے سورج کا تلاطم
آنکھوں میں تری، ڈوبتی راتوں کا نشہ تھا
گزرا نہ ادھر سے کوئی پتھر کا پجاری
مدت سے میں اس راہ کے ماتھے پہ سجا تھا
اب جانیے کیا نقش ہواؤں نے بنائے
اس ریت پہ میں نے تو ترا نام لکھا تھا
اے دیدہ حیراں! تُو ذرا اور قریب آ
اے ڈھونڈنے والے میں تجھے ڈھونڈ رہا تھا
اچھا ہے رشید آنکھ بھر آئی ہے کسی کی

اشک

جنوں میرا کہاں دنیا کی سلطانی سے ڈرتا ہے
سمندر بھی میری موجوں کی طغیانی سے ڈرتا ہے
میں دیوانہ ہوں سارے ملک میں یہ بات پھیلی ہے
ستمگر آج کل میری ہی من مانی سے ڈرتا ہے
میری جرأت کا یہ چرچا سب خرد والوں میں ہے اب تو
جسے بھی عقل ہے وہ اب تو میری نادانی سے ڈرتا ہے
اُجالا بانٹتا پھرتا ہے جو سارے زمانے میں
یہی سورج میرے چہرے کی تابانی سے ڈرتا ہے
بپھر جاتا ہوں میں تو پھر کسی کا بھی نہیں ہوتا
ہر اک طوفاں میری چاک دامانی سے ڈرتا ہے
اُجڑنے کا نہیں ہے خوف کوئی دشت سے صحرا کو
مگر یہ شہر تو ہر دم بیابانی سے ڈرتا ہے
اگر وہ مل گیا تو اس کو سینہ سے لگا لیں گے
خلوص اپنا کہاں یہ دشمنِ جانی سے ڈرتا ہے
غزل کہتے ہوئے اک عمر گزری اشک پر اب بھی
ہمارا دل ایک جذبے کی عریانی سے ڈرتا ہے

ایک شام طاہر بٹ کے نام

(رپورٹ عاصی صحرائی)

آج ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں پتہ چلا کہ محترم طاہر بٹ صاحب ٹیکساس امریکہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں ۔تو کیوں ان کی موجودگی سے مستفید ہو جائے ۔جھٹ سے مباک صدیقی صاحب سے فون ملایا۔کنفرمیشن کے بعد انہیں اس شام پر مدعوکیا۔وہ راضی ہوئےتو بٹ صاحب سے درخواست کی ۔اس طرح مورخہ ۱۷مارچ کی شام کا پروگرام بنا۔مکرم طارق صفدر کے دولت خانہ پر یہ شام منانے کا پروگرام بنا۔انہوں نے بصد شوق اپنا ایک بڑا اسٹنگ روم پیش کر دیا۔ سب اہل ذوق کواس سہانی شام کی دعوت دے دی گئی ۔سب دوست جوق در جوق شامل ہوتے گئے ۔جوں ہی چار بجے کافی دوست تشریف لا چکے تھے۔اسی لمحے جناب طاہر بٹ صاحب اور محترم مبارک صدیقی صاحب تشریف لے آئے ۔سب احباب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا ۔خوش آمدید کہا اور پروگرام کی نظامت جناب رانا عبدالرزاق خان مدیر قندیل ادب کے حصے میں آئی ۔تلاوت

سید حسن خان نے کی نظم کلام محمود سے جناب پروفیسر عبدالقدیر کوکب نے پڑھی۔ حسب روایت رانا عبدالرزاق خان مدیر قندیل ادب نے طاہر بٹ کا تعارف کروایا جو کہ کچھ یوں تھا۔

’’آج ہماری خوش قسمتی ہے کہ جناب طاہر بٹ صاحب ہمارے درمیان ہیں ۔جو کہ امریکہ سے تشریف لائے ہیں ۔ ہماری گزارش کو انہوں نے رد نہیں کیا۔یہ ان کی نوازش اور محبت ہے ۔ان کی پیدائش تو ۱۹۷۱ کی ہے۔جامعہ سے فارغ التحصیل بھی ہیں۔اور گریجوایٹ بھی آج سے دس سال قبل انہوں نے شاعری میں دلچسپی لینا شروع کی ۔ان کا پہلا مجموعہ کلام ’’ہجر حویلی‘‘ ۲۰۱۵ میں چھپا۔دوسرا مجموعہ کلام ’’اظہارِ تمنا‘‘ ۲۰۱۶ میں منظر عام پر آیا۔مجھ سے واقفیت بذریعہ ای میل دو سال پہلے سے ہے۔ان کا کلام قندیل ادب میں بھی چھپتا رہتا ہے ۔زیادہ کلام پیار و محبت و عقیدت سے منسوب ہے ۔جیسا کہ ان کے مجموعہ

کلام کا نام سے واضح ہے ہجر حویلی۔اسی طرح ان کے کلام میں بھی ملک سے دوری اور ہجرت کا ملال بھی عیاں نظر آتا ہے آج ہم ان سے اس کا رازاور پسندیدہ کلام سنیں گے۔

حسبِ روایت خاکسار کچھ اپنا کلام پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔اس کے بعد واحداللہ جاوید،منظور ریحان، پروفیسرعبدالقدیر کوکب نے اپنا اپنا کلام پیش کیا جس کے بعد طاہر بٹ نے اپنا کلام پیش کیا جو کہ سلمان ڈوگر صاحب ڈائریکٹ یوٹیوب پرنشر کرتے رہے۔ساتھ ساتھ مبارک صدیقی صاحب ساری دنیامیں پھیلے سامعین اورناظرین کے تبصرے بھی بتاتے رہے۔یوں محفل ایک سرور میں گم تھی۔طاہر بٹ کی شاعری نے چند ساعتوں تک ساری دنیا میں پھیلے ہوئے باذوق پروانوں کومسحور کئے رکھا۔مجلس میں بھی واہ واہ کے دونگڑے برسائے جارہے تھے۔کئی طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔طاہر بٹ نے اس شام کورنگین بنادیا تھا۔اپنی شاعری سے ایک رنگ جما دیا تھا۔اہل ذوق بھی بہت خوش تھے۔اکثر اشعار طاہر بٹ کی دلی کیفیت کوظاہر کناں تھے۔

لاؤں اے دل کہاں سے اب اس کو
خواب تو صرف خواب ہوتا ہے
لمحہ وہ اک تیری جدائی کا
اب تو ہر پل عذاب ہوتا ہے
آزمائش پہ آزمائش ہے
جیسے یوم حساب ہوتا ہے
دل پہ لپکے ہے کوئی بجلی سی
جب بھی اس کا خطاب ہوتا ہے
جوں ہی دل میں سوال اُٹھتا ہے
اس کا حاضر جواب ہوتا ہے
اس کے چہرے کو جب بھی دیکھیں ہم
نور با آب و تاب ہوتا ہے

اس کے علاوہ بھی طاہر بٹ نے اپنا بہت سا کلام سنا جو کہ قابل تعریف تھا۔اور دوستوں نے بہت سراہا۔اور یوٹیوب پر بھی بہت سراہا گیا۔اورناظرین بھی بہت محظوظ ہوئے۔شام بھیگ رہی تھی۔دعا سے اس تقریب کا اختتام ہوا جو کہ ڈاکٹر مجیب الحق خان نے کروائی۔سب احباب کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔خدا تعالیٰ طاہر بٹ اور جملہ حاضرین کوبصحت وبخیریت رکھے اور ایسی مجالس منعقد کرنے کی توفیق دیتا رہے۔

--*

اونچی ناک

آپ کواپنی بیوی کی جان لینی ہے کیا؟لیڈی ڈاکٹر نے رضیہ کامکمل چیک اپ کرنے کے بعد مبشر کواندر کمرے میں بلوا بھیجا تھا۔اور اب عینک کی اوٹ سے مبشر کوکڑی نظروں سے گھورتے گویا ہوئی۔مبشر نے پہلو بدلا۔آپ کی مسز میں خون کی بیحد کمی ہے اوربھی کئی پیچیدگیاں ہیں۔پانچواں حمل کسی طور مناسب نہیں تھا جب کہ بچے بھی سیزر سے ہوتے ہوں۔لیڈی ڈاکٹر کا سخت لہجہ مبشر کوخون کے گھونٹ بھرکر سننا پڑا...اس کے گھر کی کوئی عورت ایسے بولتی تواس کی زبان گدی سے باہر کھینچ لیتا۔اس نے غصیلی نظر اپنی بیوی رضیہ پر ڈالی جو کالے نقاب میں سر جھکا کر بیٹھی تھی (سیزر کا ٹانکہ نہ ہوتا تو گاؤں کی دائی رحیمہ سے بھی کیس کروایا جاسکتا تھا) مبشر نے رومال کندھے پر ڈالتے سوچا۔اولاد اللہ کی رضا سے ہوتی ہے۔بیٹے ہوں یا بیٹیاں اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہوتا تم لوگ یہ بات نہیں سمجھتے۔لیڈی ڈاکٹر مزید گویا ہوئی۔ اس بار مبشر بھڑک اٹھا۔بات سن بی بی!ادھر پیسے میں نے چیک اپ کے لئے جمع کروائے ہیں تیری باتیں سننے کے لئے نہیں۔مبشر نے اتناہی کہا کہ لیڈی ڈاکٹر اپنی سیٹ سے ایکدم کھڑی ہوگئی۔اجڈ جاہل لوگ ہوتم عورت کو بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔فورانکلو یہاں سے میں یہ کیس لینا بھی نہیں چاہتی جس میں تم نے بیوی کو مارنے کی پلاننگ کررکھی ہے۔ڈاکٹر نے بیل بجائی تو چپراسی دوڑا آیا۔اُٹھ اب منہ کیا دیکھ رہی ہے مبشر نے رضیہ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور تن فن کرتا باہر نکلتا گیا ساتھ رضیہ بھی گھسٹتی جارہی تھی ڈاکٹر کا نسخہ بھی ہاتھ سے چھوٹ کرگر پڑا تھا۔سنبھال اس کواماں آج اس نے ڈاکٹرنی کے آگے میری بےعزتی کروائی ہے۔گھر میں آتے ساتھ مبشر نے رضیہ کوزوردار قسم کا دھکا دیا تووہ صحن کے بیچوں بیچ رکھی چارپائی سے جاٹکرائی ہاتھوں سے اگر چرپائی کا پایاں نہ پکڑ لیتی تو سیدھا زمین پر جاگرتی۔اب بھی دھکے کے سبب ابھرے گول پیٹ میں موجود سانس لیتی جان مچھلی کی طرح تڑپ گئی تھی۔رضیہ وہیں لکڑی کے پائے

کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی۔کیا کردیا اس کرموں جلی نیاماں جو اسی چار پائی پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی تنفر سے پوچھنے لگی۔جب سے بیاہ کر آئی ہے کبھی سر اونچا بھی کیا ہے میرا ہمیشہ بے عزتی کروائی ہے۔وہ منہ پھلا کر ماں کے برابر جا بیٹھا۔کیا کیا ارمان لے کر تیرا ویاہ اس کرم جلی سے کروایا تھا کیا خبر تھی میرے اکلوتے لعل کو کمبخت جوانی میں بوڑھا کردے گی۔چار چار ڈائنیں پیدا کرکے گیر دن جھکا دی ہماری برادری میں قطار کھڑی کردی لڑکیوں کی۔اماں نے پیر سے رضیہ کو ٹھڈا مارا۔اتنے پیسے خرچ کرکے اس کا آپریشن کرواتے ہیں گھر لے کر آتی ہے منہ کی کالک۔آس پڑوس کی عورتیں ہنسی کرتی ہیں کہ بھئی ہم نے تو دائیوں کے ہاتھوں جنے وہ بھی شہزادوں جیسے لعل اور تیری بہو اتے روپے خرچ کروا کر ساتھ لاتی ہے سوکھی سڑی کڑیاں۔اماں سرد آہیں بھرنے لگی۔اماں اس بار اگر لڑکا نہ ہوا نا تو دیکھنا کیسے اس کو دھکے مار کر گھر سے نکالتا ہوں حاجرہ ویسے بھی میرے ساتھ نکاح کو ترس رہی ہے تیری مرضی تھی کہ اپنی بہن کی بیٹی لانی ہے۔مبشر نے اپنے آئندہ لائحہ عمل سے آگاہ کیا تو رضیہ کا دل دھڑک اٹھا اسی دن کے خوف سے تو اس نے اپنے لاغر اور ناتواں وجود کو پانچویں بچے کے لئے آمادہ کیا تھا ورنہ تو اس میں تنکہ اٹھانے کی بھی سکت نہ رہی تھی پے در پے ضائع ہوتے حمل جب ٹھہرتے تو لڑکے کی امید بندھ جاتی اور پھر لڑکی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا ایک لڑکی ہوتی تو پیچھے دو حمل ضائع ہوجاتے علاج کون کرواتا یہ سلسلہ چلتا رہا اور پھر رضیہ کی ساس دو ہتھڑ سینے پر مار کر وہیں بین کرنا شروع ہوجاتی۔ہائے ڈائن جان کر لڑکے کے پیٹ میں ماردیتی ہے تاکہ میرے بیٹے کی نسل نہ چل سکے۔وہ عقل سے بالاتر الزامات لگایا کرتی تھی اور رضیہ سر جھکائے لعن طعن سہتی رہتی۔اے میرے اللہ مجھے اس بار بیٹا دے دے میری لاج رکھ دے۔رضیہ مصلی بچھائے ہاتھوں کو اٹھائے دعا میں مصروف تھی۔

تھوڑی دور کھیلتی تینوں بچیوں نے بھی ہاتھ اٹھا کر بھائی کی دعا مانگی چھوٹی والی دو برس کی تھی شعور رکھتی تو وہ بھی ہاتھ اٹھا لیتی کہ رضیہ اور بچیوں کو اپنی جان کی امان اسی صورت میں ملنی تھی جب ان کے ہاں لڑکے کی آمد ہوتی بصورت دیگر ماں کے ساتھ باپ اور دادی کا ناروا سلوک ان کے سامنے تھا خیر بخشتی تو دادی ان کو بھی نہ تھی "کرم جلی" کے سوا کسی بچی کو نہ پکارتی اب تو رضیہ کو بھی اپنی بیٹیوں کے رکھے نام بھول چکے تھے۔پھر آخر کار شہر کے ایک سرکاری اسپتال میں رضیہ کو دردزہ سے تڑپتے لایا گیا ساس وہیں برآمدے کے ایک کونے میں جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی اور رو رو کر اتنی رقت سے دعا مانگنے لگی کہ پاس سے گزرتے لوگ اور نرسیں دل میں اس مریضہ کو خوش قسمت گردانتے لگے جس کی خاطر یہ معمر عورت بے چین ہوکر خدا سے التجائیں کررہی تھی۔" اور دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔"

مبشر بھی آپریشن تھیٹر کے باہر ٹہل رہا تھا۔رضیہ مبشر کے شوہر آپ ہیں۔اتنے میں ایک نرس آپریشن تھیٹر دروازہ کھول کر باہر آئی،جی میں ہوں۔مبشر دوڑ کر آیا،،،کیا ہوا ہے بیٹی یا بیٹا؟ وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا جی بیٹا لیکن افسوس آپ کی بیوی کا انتقال ہوگیا،نرس بتانے لگی مبشر نے تو بیٹا لفظ سن کر ایک نعرہ لگایا،اماں اماں سنتی ہو تیری دعا قبول ہوئی مجھے بیٹا ہوا میری عزت اونچی ہوگئی وہ خوشی سے ناچنے لگا تھا۔اماں فورا اُٹھ کر بیٹے کے گلے لگ گئی میرا بچہ میرا لعل تیری نسل چل پڑی۔ان دونوں کو خوشی سے بے قابو دیکھ کر اطلاع دینے والی نرس کا منہ کھلا رہ گیا،اماں تمہاری بہو دنیا میں نہیں رہی۔نرس نے اونچی آواز میں بتایا تو رضیہ کی ساس پل بھر کو خاموش ہوئی،ہک ہا کیسی قسمت لے کر آئی کرموجلی کہ اپنے بیٹے کا منہ بھی نہ دیکھ سکی،اس نے افسوس سے سر ہلایا اور پھر سے پوتے کی خوشی میں مست ہوگئی۔

----*

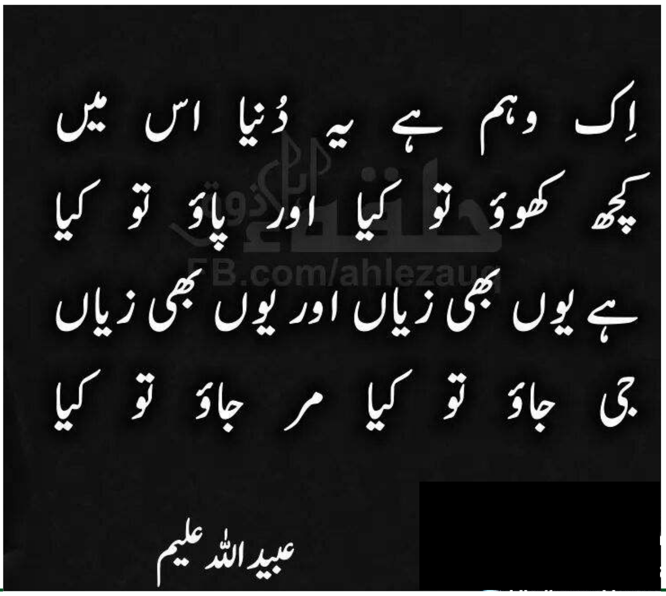

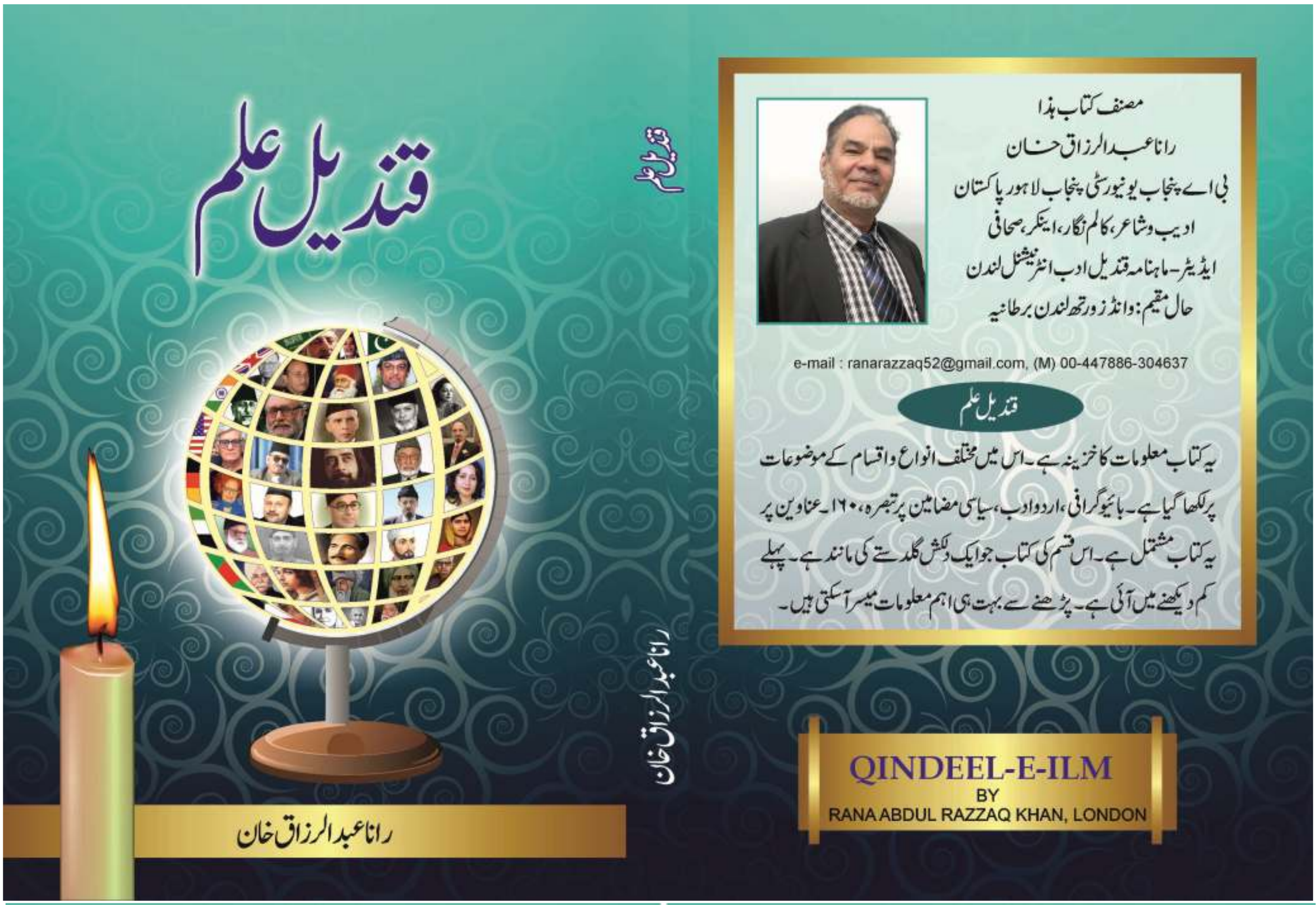
مصنف کتاب ہذا
رانا عبدالرزاق خان
بی اے پنجاب یونیورسٹی پنجاب لاہور پاکستان
ادیب وشاعر، کالم نگار، اینکر، صحافی
ایڈیٹر۔ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن
حال مقیم: وانڈز ورتھ لندن برطانیہ
e-mail : ranarazzaq52@gmail.com, (M) 00-447886-304637
قندیل علم
یہ کتاب معلومات کا خزینہ ہے۔اس میں مختلف انواع واقسام کے موضوعات پر لکھا گیا ہے۔بائیوگرافی، اردو ادب، سیاسی مضامین پر تبصرہ، ۱۶۰۔عناوین پر یہ کتاب مشتمل ہے۔اس قسم کی کتاب جو ایک دلکش گلدستے کی مانند ہے۔پہلے کم دیکھنے میں آئی ہے۔پڑھنے سے بہت ہی اہم معلومات میسر آسکتی ہیں۔
QINDEEL-E-ILM
BY
RANA ABDUL RAZZAQ KHAN, LONDON
قندیل علم
رانا عبدالرزاق خان
قندیل علم
رانا عبدالرزاق خان

ایک شام
تسلیم الٰہی زلفی

PRIME FILMS